ماہنامہ **محدث** بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی　　**مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۲۰
جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۱۱
ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
نومبر ۲۰۱۰ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۶
۵-موزوں پر مسح کے احکام	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۴
۶-آریہ قوم	مولانا محمد مستقیم سلفی	۱۶
۷-نوائے قرآن	عبدالرحیم ریاضی	۲۰
۸-سیاسی زلزلے	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۲۳
۹-وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۲۶
۱۰-اسلام اور معاہدات	مولانا خلیل احمد صاحب	۳۰
۱۱-گناہوں اور شرعی احکام کی......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۴
۱۲-مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس کا...	عبدالکبیر عبدالقوی مبارکپوری	۴۰
۱۳-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۳
۱۴-ندوۃ الطلبہ کی سرگرمیاں	ناظم ندوۃ الطلبہ	۴۴
۱۵-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۶-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴾ (سورہ حجرات:۱۲)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو بہت سی بدگمانیوں سے دور رہو، بیشک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ (اپنے بھائی کے مرجانے کے بعد اس) مردہ بھائی کے گوشت کو کھائے ۔ (یقیناً) تم کو کراہیت محسوس ہوگی، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، کسی کے ٹوہ میں مت لگو اور نہ کسی کا تجسس کرو، اور نہ کسی چیز کی خرید میں اپنے بھائی سے اوپر دام لگاؤ (تاکہ اس کو پریشان کرو اور خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو) اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بغض نہ رکھو، اور اپنے بھائی کو ایسا نہ چھوڑو کہ اس سے سلام وکلام بند کردو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو ۔ (صحیح بخاری: ۶۳۴۵)

آج ایک مسلمان اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو کتنی اہمیت دیتا ہے اس کا اندازہ آج کے ماحول سے بخوبی واضح اور عیاں ہے، اوپر ذکر کی گئی تمام باتیں اسلامی معاشرہ کو پاک وصاف رکھنے کے لیے بہت ضروری ہیں، جس کی تعلیم اللہ تعالی اور اس کے رسول محمد ﷺ نے دی ہے، بدگمانی، تجسس اور حسد وعناد آج معاشرہ میں عام ہوگیا ہے، مسلمانو! کیا کوئی انسان یہ پسند کرسکتا ہے کہ اس کا بھائی انتقال کر جائے تو اس کے گوشت کو کھایا جائے؟ اگر تم کو اس کی موت کے بعد اس کی بے حرمتی پسند نہیں تو اس کی زندگی میں اس کی غیبت وچغلی کرکے، اس کی جاسوسی کرکے اس کی بے حرمتی کیوں کرتے ہو؟

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا: أ تدرون ما الغيبة؟ کیا تم جانتے ہو غیبت کرنا کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، یہ غیبت ہے، صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر جو میں کہتا ہوں وہ میرے بھائی میں موجود ہے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ کے بھائی میں وہ بات ہے تب بھی یہ غیبت ہے، اور اگر (تم نے کوئی بات بیان کی اور) وہ تمہارے بھائی میں نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگادیا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۹)

اللہ تعالی مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین ۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۳۹

صلاۃ عشاء میں قرأت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن جابر، قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي ﷺ، ثم يأتي فيؤم قومه، فصلى ليلة مع النبي ﷺ العشاء، ثم أتى قومه فأمهم، فافتتح بسورة البقرة، فانحرف رجل فسلم، ثم صلى وحده وانصرف، فقالوا له: أ نافقت يا فلان؟ قال: لا، والله، ولآتين رسول الله ﷺ فلأخبرنه.

فأتى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! إنا أصحاب نواضح، نعمل بالنهار، وإن معاذا صلى معك العشاء، ثم أتى قومه، فافتتح بسورة البقرة. فأقبل رسول الله ﷺ على معاذ، فقال: يا معاذ ! أ فتان أنت؟ اقرأ: ﴿والشمس وضحاها﴾، ﴿والضحى﴾، ﴿والليل إذا يغشى﴾ و ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾. متفق عليه (مشكاة ج ١، ص ٧٩)

قال فى المرعاة: واللفظ لمسلم، وأخرجه البخارى مطولا، في غير موضع بألفاظ مختلفة، ... (مرعاة ج ٣، ص ١٤٢)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز (عشاء، کمافی روایۃ مسلم) ادا کرتے تھے، پھر اپنی قوم (بنوسلمہ) میں آتے اور انہیں (یہی) نماز پڑھاتے تھے، ایک رات عشاء کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ پڑھ کر قوم میں آئے اور ان کی امامت کی، (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ کی قرأت شروع کردی، تو ایک صحابی (حضرت سلیمؓ، کمافی روایۃ احمد) صف سے نکل کر سلام پھیر دیا، پھر اکیلے (وہیں) نماز ادا کی، اور (مسجد سے) نکل گئے، لوگوں نے ان سے کہا: فلاں! کیا تو نے عمل نفاق اپنا لیا؟ کہا: نہیں، اللہ کی قسم، اور میں ضرور خدمت نبوی میں حاضر ہوں گا، اور آپ ﷺ کو امر واقعہ سے آگاہ کروں گا۔ حضرت سلیمؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور گویا ہوئے: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ کھیتی باڑی اور کھجور کے درختوں کی سیرابی کے لیے اونٹ، اونٹنی رکھتے ہیں، دن میں (زرعی) کام کرتے ہیں، حضرت معاذؓ نے آپ کی معیت میں صلاۃ عشاء ادا کی، پھر اپنی قوم کی امامت کی اور سورہ بقرہ شروع کردی۔

آپ ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: معاذ! کیا تم (لوگوں کو دین سے) متنفر کرنے والے اور (انہیں) فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ تم (صلاۃ عشاء میں) سورہ ﴿والشمس وضحاها﴾، ﴿والضحى﴾، ﴿والليل إذا يغشى﴾ اور ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾، (اور اسی جیسی اوساط وساط مفصل کی سورتیں) تلاوت کرو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک سے چند مسائل کا ثبوت ہوتا ہے: (۱) امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھائے۔ (۲) نماز میں مکمل سورت پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (۳) متنفل کی امامت میں فرض نماز ادا کرنی صحیح ہے۔ (۴) صلاۃ عشاء میں عام طور پر اوساط وساط مفصل کی سورتیں جیسے سورہ ﴿والشمس﴾، ﴿والضحى﴾، ﴿والليل إذا يغشى﴾ اور ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾ پڑھی جائیں۔ (۵) حضرت معاذ اپنی قوم کو صرف صلاۃ عشاء پڑھاتے تھے اور یہی نماز ان کی دو مرتبہ ہوتی تھی پہلے فرض پھر نفل۔ (۶) فرض کے لیے دوسری جماعت بدرجۂ اولی کی جاسکتی ہے۔

صاحب مرعاۃؒ رقمطراز ہیں: "والمفصل من "الحجرات" إلى آخر القرآن، على القول الراجح. الخ. یعنی راجح قول کی روشنی میں سورہ حجرات سے آخر قرآن تک مفصل کی سورتیں ہیں، ان میں طوال مفصل حجرات سے سورہ بروج تک کل ۳۶؍سورتیں، اور سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک کل ۱۳؍سورتیں وساط مفصل، اور لم یکن سے سورہ ناس تک کل ۱۷؍سورتیں قصار مفصل کی ہیں۔ (مرعاۃ ج۳، ص۱۴۲)

رب العالمین! پوری امت مسلمہ کو پکا نمازی بنا، اور امام ومقتدی سب کو آداب صلاۃ کی پابندی کرتے ہوئے نماز پڑھنے پڑھانے کی توفیق مرحمت فرما، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ:

نیکیوں کی بے شمار مہکتی راہیں

ہماری مسلم آبادیوں میں عام مسلمان عملاً سمجھتا ہے کہ نیکی کی چند مشہور راہیں ہیں، جیسے جمعہ، عیدین، رمضان کے روزے، تراویح، شب قدر کی بیداری، صدقہ وخیرات اور طاقت ہو تو حج پر چلے جانا وغیرہ، بقیہ زندگی کے سارے اعمال میں وہ خود کو آزاد سمجھنے لگے ہیں، یہ بہت بڑی کمی ہے جو پیدا ہو رہی ہے، اس میں دین وشریعت کی تبلیغ کی کمزوری کا بھی دخل ہے، یہ کمی مسلسل منصوبہ بند بامقصد تبلیغ سے دور ہوسکتی ہے، عام لوگوں کو یہ باور کرانے کی سخت ضرورت ہے کہ نیکی کے راستے یہی چند ایک نہیں بلکہ بے شمار ہیں، چھوٹا بڑا ہر جائز کام اللہ، رسول کی اطاعت کی نیت سے کیا جائے تو اسے نیکی لکھا جاتا ہے، بلکہ اطاعت کے ارادے سے کسی گناہ کے کام سے رک جائے تو یہ بھی نیکی اور ثواب کا کام ہے۔ یہ مہکتی راہیں کس قدر بے شمار ہیں اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے لگایئے، آپ فرماتے ہیں ”لا تحقرن من المعروف شيئا ولو ان تلقى اخاك بوجه طليق“ (مسلم) نیکی کے کسی کام کو کم تر مت سمجھو چاہے تم اپنے بھائی سے مسکراتے چہرے سے ملو، یعنی مسکراتے چہرے سے ملنا بھی نیکی کا کام ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” إنه خلق كل انسان من بني آدم على ستين وثلاثمائة مفصل، فمن كبر الله، وحمد الله، و هلل الله، وسبح الله، واستغفرالله، وعزل حجرا عن طريق الناس، أو شوكة أو عظما عن طريق الناس، أو أمر بالمعروف أو نهى عن منكر، عدد الستين والثلاثمائة، فإنه يمسى يومئذ وقد زحزح نفسه عن النار“ (بخاری)

آدم کی اولاد میں ہر انسان کی پیدائش تین سو ساٹھ جوڑوں پر ہوئی ہے، تو جو شخص اللہ اکبر، الحمد للہ، لا إلہ الا اللہ، سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہے، لوگوں کی راہ سے کوئی پتھر ہٹا دے، یا کانٹا یا ہڈی دور کردے یا کسی نیکی کا حکم دے یا کسی برائی سے روکے یہ سب کام تین سو ساٹھ کی تعداد میں کرے تو شام تک اس نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے دور کرلیا“ یہ بدن کے جوڑ جوڑ کی طرف سے صدقہ وخیرات اور نیکی کا کام ہوگیا۔

جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون کام سب سے اچھا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، پھر پوچھا کون غلام آزاد کرنا زیادہ اچھا ہے، آپ نے فرمایا مالک جسے اچھا اور قیمتی سمجھتا ہو، جندب نے کہا: اگر میں یہ نہ کرپاؤں؟ تو آپ نے فرمایا کسی کاری گر کی مدد کرو یا بے ہنر کا کام کردو، انھوں نے کہا یا رسول

اللہ اگر ان بعض کاموں سے میں کمزورثابت ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی برائی لوگوں سے روک رکھو یہ تمہاری طرف سے اپنی جان پر صدقہ وخیرات ہے (متفق علیہ) غور کیجئے دوسروں کا کام کردینا نیکی ہے اور اپنی برائی سے دوسروں کو بچانا بھی نیکی اور ثواب کا کام ہے، سچ فرمایا اللہ رب العالمین نے ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره﴾ (الزلزلة:۷) جوشخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ ﴿من عمل صالحا فلنفسه﴾ (الجاثیة: ۱۵) جس نے نیک کام کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔

نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونا چاہئے، اس میں امیر غریب، چھوٹے بڑے کی کوئی حد بندی نہیں ہے اور اس راہ میں کسی نیکی کو کمتر نہیں سمجھنا چاہئے، اس میں بڑے فائدے ہیں، اس سے انسان اپنے بدن اور روح کے تقاضے پورا کرکے خوش وخرم ہوتا ہے، دوسروں کی نظر میں اس کا درجہ بڑھتا ہے، اور آخرت سنورتی ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے کہا: یا رسول الله ذهب أهل الدثور بالأجور، يصلون كما نصلی، ويصومون كما نصوم، ويتصدقون بفضول أموالهم، قال أوليس قد جعل الله لكم ما تصدقون به: إن بكل تسبيحة صدقة وكل تكبيرة صدقة، وكل تحميدة صدقة وكل تهليلة صدقة، وأمر بالمعروف صدقة ونهى عن المنكر صدقة، وفی بضع أحدكم صدقة، قالوا يا رسول الله أياتی أحدنا شهوته ويكون له فيها أجر؟ قال: أرأيتم لو وضعها فی حرام أ كان عليه وزر؟ فكذلك إذا وضعها فی الحلال كان له أجر۔ (مسلم)

اے اللہ کے رسول ﷺ مال دار لوگ زیادہ ثواب لے گئے وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں، جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال وہ صدقہ کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ نے تمہارے لئے ایسی چیزیں نہیں بنائی ہیں جن کا تم صدقہ کرو، ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر لا إلہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہاری شرم گاہ میں صدقہ ہے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں ایک اپنی جنسی خواہش پوری کرے کیا اسے اس میں ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اپنی خواہش بدکاری سے پوری کرتا تو اسے گناہ ملتا؟ ایسے ہی جب حلال طریقے سے اپنی خواہش پوری کرے گا تو اسے ثواب ملے گا، اسی کو ہادی برحق ﷺ نے فرمایا ہے کہ: تمہاری شرم گاہ میں صدقہ ہے۔

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ
طلبہ کے فرائض وواجبات

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

سابقہ سطور میں دارالحدیث رحمانیہ کے طلبہ کو ملنے والی کچھ سہولتوں کا تذکرہ ہوا، ان سہولتوں کی فراہمی کے بعد ذمہ داران مدرسہ ان طلبہ کو تحصیل علم کے لیے وقف دیکھنا چاہتے تھے، تاکہ وہ تعلیم کے مقصد کو پورے طور پر حاصل کرسکیں اور ان سے معاشرہ کو جو امیدیں وابستہ ہیں ان پر وہ پورے اتریں، اس کی خاطر ذمہ داران مدرسہ نے ان کے لیے قواعد وضوابط مقرر کیے تھے، ان کی نگرانی کا معقول انتظام کر رکھا تھا، ساتھ ہی سزا اور تادیب کے اصول بھی مقرر تھے، تنبیہ وتادیب کے تمام مراحل سے گزر جانے کے بعد بھی اگر طالب علم کی اصلاح کی امید نظر نہ آتی تو بالآخر اسے مدرسہ سے خارج کرنے میں تامل نہ کیا جاتا۔

ان جزئیات کی وضاحت کے لیے سطور ذیل میں پہلے مدرسہ کے طلبہ کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد داخلہ امتحان پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، پھر طلبہ کی نگرانی اور ان کی محنت ومشغولیت وغیرہ سے متعلق کچھ باتیں عرض کی گئی ہیں، اس ضمن میں بعض ذہین وفطین طلبہ کی بے مثال ذہانت کی مثالیں بھی پیش آگئی ہیں، اس کے علاوہ نماز کی حاضری اور اس پر مواخذہ کا تذکرہ ہے، اور آخر میں طلبہ کے اخراج کے بارے میں مختصر گفتگو کی گئی ہے۔

طلبہ کی تعداد:

مدرسہ میں طلبہ کی تعداد کیا ہوتی تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے کیا جاسکتا ہے:

مولانا ابویحییٰ خاں نوشہروی نے تراجم علماء حدیث ہند میں لکھا ہے: ’’ایک وقت میں بقدر (۸) کے اساتذہ، اور طلبہ جس قدر آسکیں‘‘۔ [۱]

مولانا نوشہروی نے اپنی دوسری کتاب ’’ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی علمی خدمات‘‘ میں لکھا ہے: ’’تلامذہ بیک وقت ۸۰×۹۰‘‘۔ [۲]

’’جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات‘‘ میں دارالحدیث رحمانیہ کے تعارف میں لکھا ہے:

’’اس میں طلبہ مختلف اوقات میں ۳۰، ۴۰ سے لے کر ۶۰، ۷۰ اور ۸۰، ۹۰ تک رکھے جاتے تھے۔‘‘ [۳]

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۱۷۳، حاشیہ نمبر ۱

[۲] ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی علمی خدمات، ص: ۱۲۸

[۳] جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ص: ۲۷

ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی (استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض) لکھتے ہیں:

" إن عدد المسجلين فى المدرسة كان يتراوح بين (٥٠) و (٩٠) طالبا، ومنا من يستقل هذه الكميه، ولكن النجاح الذى حققه خريجو هذه المدرسة يدل على أنها كانت خيرالمدارس وأكبرها كيفية دون معارض." [1]

یعنی مدرسہ (رحمانیہ دہلی) میں پڑھنے والوں کی تعداد ۵۰ سے لے کر ۹۰ تک رہتی تھی، کچھ لوگوں کو یہ تعداد کم لگتی ہوگی، مگر اس مدرسہ کے فارغین نے جو کامیابی حاصل کی وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام مدارس میں بلا اختلاف وہ سب سے اچھا اور معنوی اعتبار سے سب سے بڑا مدرسہ تھا۔

درحقیقت اس زمانہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ تعداد اتنی کم بھی نہیں ہے، ابھی پچیس تیس سال پہلے کی تاریخ دیکھی جائے تو ہمارے بہت سے بڑے بڑے مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ لگ بھگ اسی تعداد میں ہوتے تھے، بلکہ اس سے بھی کم ہوتے تھے۔

جامعہ سلفیہ سے شائع کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات'' میں دہلی کے دارالحدیث رحمانیہ کے علاوہ پندرہ دیگر مدارس (دہلی) کا تعارف ہے جن میں سے اکثر مدرسوں میں طلبہ کی تعداد دس تا پندرہ، پندرہ تا بیس، پچیس تا تیس بتائی گئی ہے، اس کے علاوہ ملک کے دیگر بڑے بڑے مدارس کے شعبۂ عربی کے طلبہ کی تعداد عموماً سو کے آس پاس ہی بتائی گئی ہے، اور وہ تعداد بھی کتاب کی اشاعت اول (۱۹۸۰ء) کے وقت کی ہے۔

دوسری بات یہ کہ کمیت کے اعتبار سے یہ تعداد جس قدر بھی کم لگے مگر کیفیت کے اعتبار سے یعنی نتائج اور کارکردگی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بڑی بڑی تعداد کے مقابلے میں یہ چھوٹی تعداد بھاری نظر آتی ہے، اس کے برعکس آج کے بیشتر مدارس میں کمیت پر نظر رکھی جاتی ہے اور کیفیت کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

داخلہ امتحان:

داخلہ امتحان سے متعلق سے مولانا عبدالرؤف رحمانی علیہ الرحمۃ کے ایک تذکرہ نگار لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالرحمٰن بہاری نے جو رحمانیہ میں استاد تھے، مقامات حریری، نورالانوار، شرح وقایہ، ترمذی، سبع معلقہ وغیرہ میں ہمارے مولانا (عبدالرؤف صاحب) کا داخلہ امتحان لیا۔ یہ چھٹی جماعت کی کتابیں تھیں، امتحان ہو چکا تو ممتحن صاحب نے خوش ہوکر پوچھا: داخلہ کس جماعت میں چاہتے ہو؟ کہا ساتویں میں، ارشاد ہوا ساتویں اور آٹھویں دونوں تمہارے لیے برابر ہیں...... بہرحال اپنے حسب منشا مولانا ساتویں ہی میں داخل ہوگئے۔'' [2]

[1] جهود مخلصة فى خدمة السنة المطهرة، ص: ۲۵۴

[2] ماہنامہ السراج جھنڈانگر، خطیب الاسلام نمبر، ص: ۵۲۳

والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی حفظہ اللہ سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو:

سوال: (دارالحدیث) رحمانیہ میں داخلہ امتحان کے کیا اصول وضوابط تھے؟ آپ کا داخلہ کب اور کس طرح ہوا؟

جواب: مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں کوئی فارم داخلہ نہیں ہوتا تھا، طلبہ کا داخلہ شفوی امتحان کے ذریعہ ہوا کرتا تھا، اور اسی امتحان میں دیگر کوائف بھی معلوم کیے جاتے تھے، مشرقی اتر پردیش کے امیدوار طلبہ کے لیے یہ سہولت تھی کہ رمضان المبارک کی تعطیل میں ''املومبارکپور'' (اعظم گڈھ) جاکر مولانا نذیر احمد املوی (ناظم تعلیمات رحمانیہ) کی خدمت میں امتحان داخلہ دیتے اور نتیجہ سے آگاہ ہوجایا کرتے۔

میرا داخلہ ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا، عید کی چھٹی میں مولانا املوی کے مکان پر میرا امتحان ہوا، اور فیصلہ ہوا کہ جماعت رابعہ میں داخلہ میرے لیے مفید ہوگا۔ [1]

ایک اور سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

''امتحان داخلہ سخت ہوتا تھا، اس میں کسی سفارش یا رعایت کی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اس سے زیادہ امتحانات سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ میں مثالی سختی رہتی تھی، اس لیے وہی طلبہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھ پاتے جو محنتی اور علمی پختگی کے شوقین ہوتے تھے۔'' [2]

طلبہ کی نگرانی کا نظام:

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کی تعلیم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی تھی کہ ہمیشہ طلبہ کو مطالعہ کتاب کی تاکید کرتے اور اپنے رفیق کار مولانا نذیر احمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تعاون سے دارالاقامہ کا اکثر وبیشتر گشت لگاتے، طلبہ کو اگر درسی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتے تو انہیں اس پر سرزنش کرتے، بسا اوقات جسمانی سزا بھی دیتے، طلبہ کی عبارت خوانی پر پوری توجہ دیتے، کیا مجال تھی کہ کوئی طالب علم غلط عبارت پڑھ کر آگے بڑھ جائے...'' [3]

''آپ طلبہ کی وضع قطع اور لباس کا بہت خیال رکھتے، نماز باجماعت کے خود پابند تھے اور طلبہ کو اس کی پابندی کرنے پر کڑی نظر رکھتے...'' [4]

آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو:

سوال: دوران تعلیم اور دوران تدریس دونوں میں دارالحدیث رحمانیہ سے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے؟

جواب: وہاں مولانا نے تحصیل علم کیا تھا، وہاں استاد بھی تھے، اس وقت ایک اچھا نمونہ دارالحدیث رحمانیہ کا تھا، اسی

---

[1] ماہنامہ محدث بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص:۶۳ [2] ایضا: ص:۶۶

[3] محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر، جنوری، فروری ۱۹۹۷ء ص:۳۰۸ [4] ایضا: ص:۳۰۹

کے مطابق وہ مرکزی دارالعلوم بلکہ اس سے بھی اچھے معیار پر وہ دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ شخصی مدرسہ تھا اور کلی انتظام ایک شخص کے ماتحت تھا اس لیے وہ جس نہج پر چاہتے تھے اسی نہج پر چلاتے تھے اور سختی برتتے تھے، اساتذہ اور طلبہ دونوں کے ساتھ کسی طرح کی رو رعایت نہیں ہوتی تھی کیونکہ جس کام کے لیے وہ آئے ہیں اسی میں مصروف رہیں اور اسی کو انجام دیں، وہ بہت زیادہ دارالحدیث رحمانیہ کا ذکر کرتے تھے اور اس سے بہت زیادہ متاثر رہتے تھے، اس کا تذکرہ عموماً جب کوئی چھیڑتا تو ایک ایک چیز بیان کرتے تھے...'' ۱

مولانا محمد صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

(مہتمم اور اساتذہ کی نگرانی کے علاوہ) مدرسہ کے گیٹ پر دائیں بائیں دو کمرے ہوتے تھے، ایک میں جنرل منشی اور دوسرے میں چوکیدار کی رہائش ہوتی تھی۔ منشی موصوف کا مقام مہتمم صاحب کے نائب جیسا ہوتا تھا، حساب کتاب وغیرہ لکھنے کی خدمت انجام دینے کے ساتھ رات میں طلبہ کے کمروں میں ان کی موجودگی کو غیر محسوس انداز میں نوٹ کیا کرتے تھے۔'' ۲

طلبہ کی محنت اور مشغولیت:

مدرسہ میں طلبہ کتنی محنت اور لگن سے پڑھتے تھے اس کا اندازہ لگانے کے لیے خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی علیہ الرحمۃ کی تحریر کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''بالعموم میرا کام پڑھنے پڑھانے کا تھا اور شب و روز اسی مشغلہ میں مشغول رہتا تھا، ضلع اٹاوہ وغیرہ کے پڑھنے والے رحمانی علماء مجھ سے پہلے وفات پا گئے جو میری محنت و مشقت کو دیکھ کر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم دیوانہ ہو جاؤ گے اور پاگل ہو کر مرو گے، میں ہمیشہ سبق کو حاصل کر کے آتا اس کے بعد میرے کمرے میں کھانا آ جاتا تھا، کیونکہ میں نے فیس طعام دے کر ہی بنارس اور دہلی میں کھانا کھایا ہے، لیکن کھانا کمرے میں آ کر رکھا رہتا تھا اور میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے سمجھے ہوئے مضمون کو لکھا کرتا تھا یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہو جاتی، ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آتے تو اپنا کھانا کھاتے، اس وقت ناشتہ دان کا کھانا ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور گوشت کے سالن پر ڈالڈا یا گھی وغیرہ جو ہوتا وہ جم جاتا، اس کو کائی کی طرح نکال کر میں باہر پھینکتا، صرف جمعہ کے دن گرم اور تازہ کھانا نصیب ہوتا تھا، کیونکہ اس دن کوئی سبق نوٹ نہیں کرنا ہوتا تھا۔ عموماً رات کے ۱۲/ بجے کے بعد سوتا تھا، میں نے دلی میں پڑھنے کے زمانے میں کسی محلے یا بازار کو نہیں دیکھا، شاعر کا یہ شعر میرے اس حال پر منطبق ہے ؎

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہو گا کفن اپنا ۳

مولانا خورشید احمد سلفی مولانا رحمانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

۱ ماہنامہ محدث، بنارس، شیخ الحدیث نمبر، جنوری-فروری ۱۹۹۷ء، ص:۱۲۴ ۲ ماہنامہ محدث بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص:۶۵

۳ ماہنامہ محدث بنارس: اگست ۱۹۹۲ء ص:۱۷

’’علامہ فرمایا کرتے تھے کہ میں پورا پورا ہفتہ مدرسے سے باہر نہیں نکلتا تھا اور ہمہ وقت مطالعہ و کتب بینی میں مشغول رہتا۔

یہی معمول دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ایام طالب علمی میں بھی رہا، ہفتہ ہفتہ آپ مدرسہ کے گیٹ سے باہر نہیں نکلتے ہمیشہ اسباق حفظ کرنے، ادق عبارت حل کرنے اور مباحث و مسائل کو سمجھنے میں لگے رہتے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب کبھی نکلتا تو جامع مسجد اور لال قلعہ میں جاتا، وہاں عیسائی پادریوں سے اناجیل مرقس، لوقا، اور متی وغیرہ دو چار پیسہ میں خرید کرلاتا اور ان کا مطالعہ کرتا۔‘‘ [۱]

مولانا رحمانی ایک جگہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

’’.....مولانا سکندر علی ہزاروی منطق و فلسفہ کے استاد تھے، جب آپ رحمانیہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے تو مولانا عبدالسلام صاحب درانی (جو امام الفقہ والمنطق تھے) آئے۔

مولانا درانی صاحب کے درس کا ایک واقعہ یہ ہے کہ میں پڑھنے میں بہت محنت کرتا تھا اور منطق و علم کلام کی کتابوں کو سمجھنے کی زیادہ کوشش کرتا تھا، میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسئلہ استاذ کے سامنے حل ہو جائے، اس لیے میں سوال زیادہ کرتا تھا، میرے ساتھی کہتے کہ تم اساتذہ کو اتنا تنگ کیوں کرتے ہو؟ چلو باہر ہم سمجھا دیں۔ تو میں کہتا بھئی باہر (یعنی میدان میں) تو لوگ پھری گتکا کھیلتے ہیں، یہیں استاذ کے سامنے سمجھاؤ، تو وہ لوگ میرا منھ دیکھنے لگے...‘‘ [۲]

مدرسہ کے ناظم تعلیمات مولانا نذیر احمد املوی ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’طلبہ کے مضامین کی اصلاح و ترمیم کی طرف توجہ نہیں کی گئی کہ اس حیثیت سے بھی آپ کو مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ کرنے کا موقع مل سکے اور آپ معلوم کرسکیں کہ عام مدارس عربیہ کے خلاف مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ کتابی استعداد کے ساتھ ساتھ مشق کی طرف بھی کس قدر کامیابی حاصل کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان مضامین کے پڑھتے وقت یہ تخیل آپ اپنے سامنے رکھیے کہ یہ ان طلبہ کی ذاتی فکر و کاوش کا نتیجہ ہے جو دن رات اپنے درس کی ٹھوس اور مشکل کتابوں ہی کے تکرار و مطالعہ میں اپنے دماغ کو تھکا چکے ہوتے ہیں، پھر عربیت کی مشق بھی کرنی ہوتی ہے، نیز ہر ہفتہ واری اجلاس میں تقریری اور مناظروں کے لیے بھی تیاری کرنی پڑتی ہے۔‘‘ [۳]

نتائج وثمرات

مدرسہ کے حسن انتظام، ذمہ داران واساتذہ کی توجہ اور طلبہ کی محنت و مشقت کے بعض ثمرات و نتائج کے لیے درج ذیل

---

[۱] ماہنامہ السراج، جھنڈانگر، خطیب الاسلام نمبر، ص: ۹۵

[۲] ماہنامہ السراج جھنڈانگر، خطیب الاسلام نمبر، ص: ۴۳۰

[۳] ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر، ص: ۳۰۹-۳۱۰، بحوالہ رسالہ محدث دہلی، جنوری ۱۹۳۸ء ص: ۷

اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی اپنے ایک مضمون میں اپنے ایک استاذ مولانا محمد داؤد راغب شاہ جہاں پوری جو رحمانیہ کے فارغ تھے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''…..بہت ہی ذہین اور قابل طلبہ میں شمار ہوتے تھے، رحمانیہ سے فارغ ہوکر وہیں کے مدرس ہوگئے، تقریباً ایک سال انہوں نے پڑھایا، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے رحمانیہ کا پورا نصاب (جو آٹھ سال کا ہوتا تھا) چار سال میں ختم کردیا، یعنی ہر سال دو کلاسوں کا امتحان دیا کرتے تھے….'' [۱]

جریدہ ترجمان دہلی میں مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی کے بارے میں رسالہ محدث رحمانیہ دہلی کے حوالے سے درج ہے کہ:

''…..نومبر ۱۹۳۸ء کے شمارے میں ادارہ کی جانب سے جو مفصل رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں مولانا کا ذکر خیر بڑے اچھے انداز میں کیا گیا ہے، اس رپورٹ سے حصول علم میں آپ کی محنت، دلچسپی اور لگن کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

''…..اس کے بعد پانچویں جماعت کے ایک طالب علم عبدالقیوم بستوی نے ترمذی شریف کی حدیثیں زبانی سنائیں، دیکھنے والے حیران تھے کہ ممتحن صاحب نے کتاب (ترمذی شریف) منگوا کر اپنے سامنے رکھی اور جس باب سے متعلق فرماتے فوراً اس کی حدیثیں فرفر یہ طالب علم سنانا شروع کردیتا۔'' [۲]

مخصوص وممتاز طلبہ کے علاوہ مدرسہ کے عام طلبہ کا کیا معاملہ ہوتا تھا اس کا اندازہ لگانے کے لیے اخبار محمدی دہلی میں شائع درج ذیل خبر ملاحظہ ہو:

''…..اس مدرسے میں طلبہ کی تحریری اور تقریری قابلیت اعلیٰ درجہ پر پہنچانے کے لیے ایک صیغہ ہے جس کا نام ''جمعیۃ الخطابہ'' ہے جس کا سالانہ جلسہ مدرسہ کے شاندار ہال میں ۲۷/ اکتوبر کو منعقد ہوا، جس میں قابل ولائق فائق طلبہ نے عربی اردو میں برجستہ تقریریں کیں، سب سے زیادہ ندرت کی بات یہ تھی کہ ان طلبہ کو وقت سے پہلے کوئی مضمون نہیں دیا گیا تھا کہ وہ تیار ہوکر اس پر کوئی یاد کی ہوئی تقریر کریں، طالب علم کو بلایا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ فلاں مضمون پر عربی میں تقریر کرو، تقریر شروع ہوتی تھی اور سامعین کی مسرت بروقت بڑھتی رہتی تھی، کیونکہ زباندانی کے ساتھ مضمون کی روانی اور دلائل کی فراوانی یہ وہ چیزیں تھیں جو داد لیے بغیر نہ رہ سکتی تھیں….'' [۳]

[۱] الاعتصام، لاہور: ۴/نومبر ۱۹۹۴ء ص:۱۹

[۲] جریدہ ترجمان- کانفرنس نمبر: ۱۵-۱۶/ اکتوبر ۲۰۰۴ء ص:۱۷۹، بحوالہ: محدث دہلی، ماہ نومبر ۱۹۳۸ء ص:۳۷

[۳] اخبار محمدی دہلی: یکم نومبر ۱۹۳۳ء ص:۱۱

نماز کا اہتمام اور حاضری:

مدرسہ میں باقاعدہ پنجوقتہ نمازوں کی حاضری ہوتی تھی، اور غیر حاضر پائے جانے والے طالب علم سے باز پرس ہوتی اور اس پر سختی کی جاتی تھی، مہتمم صاحب خود بھی روزانہ فجر کی نماز سے قبل مدرسہ پہنچ جاتے تھے اور دارالاقامہ میں گھوم گھوم کر طلبہ کو جگاتے تھے۔

مدرسہ کے ایک زائر مولوی عبداللطیف صاحب فرماتے ہیں:

''میں مدرسہ رحمانیہ میں قریب بیس یوم کے رہا۔ الحمدللہ اتنے عرصہ میں مسجد کو مصلیان یعنی طلبہ سے مملو پایا، پانچ وقت بعد نماز کے سنت کے مطابق حاضری ہوتی ہے، سنت کے مطابق اس لیے کہ رسول خدا ﷺ فجر کی نماز کے بعد فرماتے'' أفلان شاھد أفلان شاھد'' کیا فلاں حاضر ہے فلاں حاضر ہے۔ نیز مدرسہ مذکورہ میں آٹھ مدرسین نہایت جدوجہد وسعی بلیغ کے ساتھ درس دیتے ہیں....'' عبداللطیف مدرس مدرسہ محمدیہ واقع جامع مسجد شاہی، اٹاوہ۔

مولانا محمد اعظمی صاحب فرماتے ہیں:

''پنجوقتہ نمازوں میں طلبہ کی حاضری فرض نماز سے فراغت کے بعد ہوا کرتی تھی اور ایک معین طالب علم کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوتی تھی، فجر کے وقت مؤذن اذان دے کر طلبہ کو جگانے کے لیے لاٹھی سے ان کے کمروں کے دروازے یا ان کی چارپائی کے پائے زور زور سے پیٹتا تھا، غیر حاضری پر مطبخ سے کھانا ملنا موقوف ہوجایا کرتا تھا، جمعہ کے روز نماز عصر کی حاضری نہیں ہوتی تھی، اگر کوئی طالب علم سنیما بینی کا مرتکب ہوتا تو اس کا اخراج فوراً اور لازماً ہوتا، یہاں تک کہ اس جرم کا مشتبہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوتا تھا'' [۱]

نماز کا حاضری رجسٹر مہتمم صاحب وقتاً فوقتاً ملاحظہ فرماتے رہتے تھے اور سستی کرنے والے طلبہ کو تنبیہ کرتے اور سختی کرتے۔ اخبار محمدی کی ایک رپورٹ میں آیا ہے کہ:

''(مہتمم شیخ عبدالوہاب صاحب نے) حاضری کے رجسٹر ملاحظہ کیے، جو طلبہ نماز میں غیر حاضری کرتے ہیں انہیں بہت ڈانٹا اور سمجھایا، دو مرتبہ تو جرمانہ معاف کردیا، لیکن اب کہہ دیا ہے کہ میں اس بارے میں سختی کروں گا'' [۲]

مدرسہ کے سالانہ جلسہ اور دوسرے مواقع پر مہتمم صاحب طلبہ کو خطاب کرتے تھے اور خاص طور سے نماز کے بارے میں تاکید کرتے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے سالانہ جلسے کے موقع پر آپ کے خطاب سے متعلق اخبار محمدی لکھتا ہے:

''....ناظم صاحب اطال اللہ عمرہ بھی تشریف فرماتے تھے آپ نے بھی طلبہ سے اپنی خوشنودگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ نظم میں جو میری تعریف کی گئی ہے میں اس سے خوش نہیں، میں یہ کام صرف رضامندی رب کی طلب میں کررہا ہوں، خدا قبول

[۱] ماہنامہ محدث، بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء ص:۶۵

[۲] اخبار محمدی، دہلی: یکم جولائی ۱۹۳۸ء ص:۱۱

فرمائے اور مجھے مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے کہ میں اس کی ہر راہ میں اس کی دی ہوئی دولت صرف کروں، یہ خداداد چیز ہے، فی سبیل اللہ کام آئے اسی میں میری خوشی ہے،طلبہ کو مدرسے کے وقت میں مدرسے میں ہی حاضر رہنا چاہیے،نماز کے لیے جب آپ مسجد میں جائیں تو خشوع خضوع ادب و وقار سے جائیں،مسجد میں آداب مسجد کے خلاف کوئی بات نہ ہونے پائے، اسباق دل لگا کر پڑھیں،اخلاقی باتوں کا پورالحاظ رکھیں، جو پڑھیں اس کا مجسم عملی نمونہ بن جائیں۔وغیرہ....'' [۱]

اخراج:

تمام تر نگرانی اور سختی کے باوجود اگر کوئی طالب علم سرکشی ہی پر آمادہ رہتا اور عفو و درگذر کے تمام مراحل سے گزر چکا ہوتا پھر بھی اس کے اندر اصلاح کی امید نظر نہ آتی تو ایسے طالب علم کو مدرسہ سے خارج کر دیا جاتا اور اس سلسلے میں کسی طرح کی رعایت نہ کی جاتی،اس کی وجہ سے طلبہ بہت محتاط زندگی گزارتے تھے اور مدرسہ کے نظام و قانون کی ادنی مخالفت سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

جن طلبہ کا اخراج عمل میں آتا ان کے نام رسائل و جرائد میں شائع کرا دیے جاتے اور دوسرے مدارس کو اس اعلان کے ذریعہ باخبر کر دیا جاتا کہ فلاں فلاں طلبہ مدرسہ رحمانیہ سے خارج کیے گئے ہیں تا کہ ان طلبہ کو اپنے یہاں داخل کرنے سے دوسرے مدارس بھی گریز کریں۔

مجلّہ اہل حدیث امرتسر کے ایک شمارے میں بعض طلبہ کے اخراج کی خبر یوں شائع ہوئی ہے:

''مدرسہ رحمانیہ دہلی سے بعض طلبہ کو بدچلنی کی وجہ سے خارج کیا گیا ہے:عبدالصمد، داؤد احمد، اصغر علی، کبیرالدین.... دوسرے مدارس کے مہتمم صاحبان بھی متنبہ رہیں۔'' [۲]

چونکہ ذمہ داران کے پیش نظر اصل چیز تعلیم و تربیت تھی،اس لیے وہ اس تعلق سے کوئی کمی یا خرابی برداشت نہیں کرتے تھے،یہی وجہ ہے کہ ان کی نظر ہمیشہ کیفیت پر رہتی تھی کمیت پر نہیں،مولانا محمد اعظمی صاحب کا یہ بیان پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ:

''....چونکہ یہ مدرسہ شخصی تھا اس لیے کسی معاملے میں دوسروں کی مداخلت کا کوئی تصور نہیں تھا،اس سخت معیاری تعلیم کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ طلبہ و فارغین کی کثرت و قلت اس کے معیار کو کسی طرح متاثر نہیں کرتی تھی،اصل چیز کیفیت ہوتی تھی،کمیت نہیں، یہی وجہ تھی کہ درجات علیا تک پہنچتے پہنچتے طلبہ کی تعداد بہت قلیل ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ بعض دفعہ سنۃ الشہادۃ میں ایک یا دو طلبہ باقی رہ جاتے تھے۔'' [۳]

☆☆☆

[۱] اخبار محمدی، دہلی:۱۵/ اگست ۱۹۳۹ء ص:۱۵

[۲] مجلّہ اہل حدیث،امرتسر:۱۲/ دسمبر ۱۹۲۴ء ص:۱۳

[۳] ماہنامہ محدث، بنارس:ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء ص:۶۸، ایضا: اکتوبر ۲۰۱۰ء

موزوں پر مسح کے احکام

مولانا عبدالمتین مدنی

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں کی سہولت کے لیے دین کے بعض احکام میں رعایت اور نرمی رکھی ہے، ان احکام میں سے موزہ پر مسح بھی ہے، جس کا کرنا اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے، شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں: حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے وضاحت کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنا متواتر (دلائل سے ثابت) ہے۔ (فتح الباری ۱/۴۰۸) اور آپ نے اس سے متعلق احکام کو بھی بیان فرمادیا ہے، درج ذیل سطور میں احادیث کی روشنی میں احکام بیان کئے جارہے ہیں۔

غزوۂ تبوک میں فجر کی نماز کے وقت اللہ کے رسول ﷺ وضوء فرمارہے تھے، حضرت مغیرہ بن شعبہ ساتھ میں موجود تھے، بیان کرتے ہیں: "كنت مع النبي ﷺ فتوضأ فأهويت أن أنزع خفيه فقال دعهما فاني أدخلتهما طاهرتين فمسح عليهما" (متفق علیہ) میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے وضوء بنایا، میں جھکا کہ آپ کے خف (چمڑے کا موزہ) کو اتاردوں، آپ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو، میں نے ان کو وضوء کی حالت میں پہنا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح کرنا اس وقت درست ہوگا جب وضوء کی حالت میں ان کو پہنا جائے، ایک دوسری حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے: "وعن أبي بكرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه رخص للمسافر ثلاثة أيام ولياليهن، للمقيم يوما وليلة اذا تطهر فلبس خفيه أن يمسح عليهما" (دارقطنی) اللہ کے رسول ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات کی مدت موزوں پر مسح کرنے کی متعین فرمائی ہے، جب وہ وضوء کرکے ان کو پہنے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزے پر مسح کی رخصت سے فائدہ اٹھانا ہو تو ان کو بحالت وضوء پہنا جائے اور مدت مسح بھی اس حدیث میں بیان کردی گئی کہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات۔

حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے مسح کی مدت موزہ پہننے کے وقت کے بجائے پہنے کے بعد جب پہلی مرتبہ وضوء کرکے اس پر مسح کیا جائے اس وقت سے شروع ہوتی ہے، مثال کے طور پر اگر ظہر کی نماز کے وقت وضوء کرکے موزہ پہنا گیا اور اس کے بعد عصر کی نماز کے وقت وضوء کرنے کی ضرورت پڑی اور وضوء کرکے موزے پر مسح کیا گیا تو موزے پر مسح کرنے کی مدت ظہر کے وقت سے نہیں بلکہ عصر کے وقت جب اس پر پہلی مرتبہ مسح کیا گیا اس وقت سے شروع ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کرتے ہیں: "انه رخص للمسافر إذا توضأ لبس خفيه ثم أحدث وضوءا أن يمسح ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوما وليلة" (ابن ماجہ) اللہ کے رسول ﷺ نے مسافر کے لیے جب وہ وضوء کرکے اپنا موزہ پہنے پھر وضوء کی تجدید کرے تو تین دن اور اس کی راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور رات مسح کرے۔ یعنی اس کے مسح کی مدت موزہ پہننے کے بعد پہلے وضوء سے شروع ہوئی۔

اسی طرح ایک دن اور رات اس کی مدت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسح کی حالت میں ایک دن اور ایک رات پوری ہونے کے وقت ہم وضوء سے نہیں ہیں تو اب ہم وضوء کرکے اس پر مسح نہیں کرسکتے، بلکہ ہم موزہ اتار کر پیروں کو وضوء کرتے وقت دھلیں، لیکن اگر اس مدت کے پوری ہونے کے بعد بھی ہم اسی وضوء کی حالت میں ہیں جو ہم نے مدت پوری ہونے سے پہلے کیا تھا تو اس وضوء کا اعتبار ہوگا اور اس سے ہم نمازیں بھی ادا کرسکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مدت کے پوری ہوتے ہی ہمارا مسح کالعدم نہیں ہوجائے گا بلکہ مدت پوری ہونے کے بعد وضوء کے ٹوٹنے پر مسح کی مدت ختم ہوگی، اس طرح اگر کوئی شخص موزہ پہنے ہوئے ہیں اور اس پر مسح کرکے نماز ادا

کر رہا ہے، مدت مسح کے دوران استنجاء کے لیے جاتے وقت یا سوتے وقت اسے موزہ اتارنا ضروری نہیں ہے، اگر مدت کے دوران اس نے موزہ اتار دیا تو اب دوبارہ پہن کر اس پر مسح نہیں کرسکتا بلکہ نئے سرے سے پورا وضوء کر کے تب اسے موزہ پہننا ہوگا، البتہ مدت مسح کے دوران اگر اس پر غسل جنابت واجب ہوجائے تب اسے غسل جنابت کرنے کے لیے موزہ اتارنا ہی ہوگا، حضرت عمر کی موقوف اور حضرت انس کی مرفوع روایت ہے: "اذا توضأ أحدكم ولبس خفيه فليمسح عليهما وليصل فيهما ولا يخلعهما ان شاء الا من جنابة" (دار قطنی) جب تم میں سے کوئی شخص وضوء کر کے اپنے موزے پہنے تو ان پر مسح کرے اور اسے پہنے ہوئے نماز پڑھے، ان کو نہ اتارے، اگر وہ چاہے، ہاں سوائے جنابت کے، مطلب یہ کہ جنابت کی حالت میں غسل کے لیے اسے اتارنا ہوگا، اور حضرت صفوان بن عسال کی مرفوع روایت ہے: " ولكن من غائط وبول ونوم" (نسائی، ترمذی) لیکن پیشاب، پائخانہ اور سونے کے لیے اسے اتارنے کی ضرورت نہیں۔

موزوں پر مسح اس کے اوپری حصہ پر کیا جائے اور ایک بار کیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: "لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح ولكن رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه" (ابوداود) اگر دین کے مسائل عقل سے طے ہوتے تو موزے کا نچلا حصہ مسح کا زیادہ حق رکھتا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے اوپر مسح کیا۔

مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کے کنارے پانی سے تر کر کے ان کو پیر کی انگلیوں پر رکھ کر پنڈلی تک سیدھے کھینچا جائے، اس سلسلہ میں بعض روایتیں بھی آتی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ: "انه رأى رسول الله ﷺ يمسح على ظهر الخف خطوطا بالأصابع" (سبل السلام ۱/۸۵) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے موزے کے اوپر مسح کیا انگلیوں سے لکیر کھینچتے ہوئے۔ مگر امام نووی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

جس طرح چمڑے کے موزے پر مسح کرنا درست ہے اسی طرح اون، سوت اور نیلون کے موزوں پر بھی مسح کرنا درست ہے، البتہ اس سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ مسح کرنے کے لیے یہ موزے موٹے ہوں تو بہتر ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: "توضأ النبي ﷺ ومسح على الجوربين والنعلين" (ترمذی) اللہ کے رسول ﷺ نے وضوء فرمایا اور اپنے جورب (موزہ) اور جوتیوں پر مسح کیا۔ موزوں پر مسح کرنے کی روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "بعث رسول الله ﷺ سرية فأمرهم أن يمسحوا على العصائب يعني العمائم والتساخين يعني الخفاف" (ابوداود) اللہ کے رسول ﷺ نے ایک فوجی ٹکڑی بھیجی اور آپ نے ان کو (پٹیوں) عمامے اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ موزوں میں اگر پیوند لگا ہوا ہو یا معمولی سوراخ ہو تب بھی اس پر مسح کرنا درست ہے۔ اگرچہ ائمہ کرام کے درمیان اس مسئلہ کو لیکر اختلاف ہے کہ پھٹے ہوئے موزے پر مسح کرنا درست ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں احوط یہی ہے کہ ایسے موزے جو اتنے پھٹے ہوئے نہ ہوں جن کو عرف عام میں پھٹا ہوا کہا جاسکے اور جس سے قدم کا وہ حصہ پھٹا ہونے کی وجہ سے ظاہر نہ ہو جس پر مسح کیا جاتا ہے (مسح کا محل ہے) تو اس پر مسح کیا جائے۔

اور اگر پھٹن ایسی ہو کہ اس پر پھٹا ہونے کا اطلاق ہوسکے تو اس حصہ کو سل کر کے یا پیوند لگا کر کے اس پر مسح کیا جائے بہتر یہی ہے اور اختلاف سے بچنے کا راستہ بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح دین کی سہولتوں میں سے ایک ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا خصوصا سردی کے اس موسم میں اس سے سردی سے حفاظت بھی ہے۔

☆☆☆

مذاہب وادیان

آریہ قوم

(قسط:۲) مولانا محمد مستقیم سلفی

آریہ قوم کو آریہ کہنے کی وجہ:

آریہ اصل میں سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے بندگی کرنا، عبادت گذار ہونا چونکہ اسی قوم کے متقدمین عبادت اور ریاضت میں بہت آگے تھے، اس لئے انھیں آریہ کہا جانے لگا، جب کہ مذاہب عالم کے ''انسائیکلوپیڈیا'' میں اس کا معنی ''لیوس صوز'' (یعنی عالی مرتبہ، معزز افراد) لکھا ہے جس کا اطلاق مہاجرین کے اس گروہ پر ہوتا ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایران سے سندھ وارد ہوئے۔(۱)

ہندو مذہب کا بانی:

دنیا میں جتنے بھی بڑے اور قابل ذکر مذاہب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی ضرور ہے، لیکن ہندو مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بانی نامعلوم ہے، اس لئے کامل یقین کے ساتھ کسی بھی شخص کو ہندو مذہب کا موسس اور بانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جیسا کہ بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ، جین مذہب کے بانی مہابیر سوامی، اور سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک ہیں۔(۲)

ہندوؤں کا قدیم عقیدہ:

قدیم زمانہ میں ہندو اپنی مادی زندگی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ موت کے بعد دنیاوی زندگی ختم ہوکر زندگی کا ایک دوسرا سلسلہ دائمی طور پر جاری رہے گا، ان کا خیال تھا کہ اگر انسان نیک ہوتو موت کے بعد وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر وہ گنہگار ہوتو اسے دوزخ کے مصائب بھگتنا پڑیں گے، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہ عقیدہ تناسخ یا آواگون میں تبدیل ہوگیا۔(۳)

موجودہ ہندوؤں کا عقیدہ:

ہندوؤں کا موجودہ عقیدہ یہ ہے کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی اور زمینی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے، اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا، اگر پہلے جنم میں اچھے کام کئے ہوں گے تو اگلا جنم اچھی شکل وصورت میں ہی ہوگا، ورنہ اس سے بھی بری زندگی کا آغاز ہوگا اور اس عقیدے کے مطابق ضروری نہیں ہے کہ انسان کا اگلا جنم انسان ہی کی صورت میں ہو بلکہ وہ کسی جانور، پرندے، درخت، پھل اور پھول یا پودے وغیرہ کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔(۴)

ہندوؤں کے معبود:

آریائی ہندو دیوتاؤں کو ہی عمل تخلیق کا اولین مظہر مانتے تھے، گویا وہ قدرت کی نیم الوہی طاقتیں تھیں اور عام انسانوں

(۱) تقابل ادیان۔ (۲) دراسات فی الہندوسیۃ۔ (۳) ماخوذ تقابل ادیان۔ (۴) تقابل ادیان۔

سے بالا تھیں، اس لئے کائنات وحیات انسانی میں ان کا کردار بڑا اہم مانا جاتا تھا، اسی لئے عبادت اور قربانی کے ذریعہ ان کی خوشنودی حاصل کرنا اور مناسب رسموں اور ریاضتوں سے ان کا غضب فرو کرنا لازمی تھا، ہر دیوتا کے پجاریوں کا ایک مخصوص حلقہ تھا۔

دیوتاؤں کے قصوں سے ویدک دیوتا لاابھری پڑی ہے، جن میں کچھ تو آسمان میں رہنے والے تھے اور کچھ فضاؤں میں بسیرا کرتے تھے، ورن (الہ السماء) کو سب سے باعظمت دیوتا مانا جاتا تھا، زمین، چاند، سورج، ہوا، دریاؤں، پہاڑی کے علاوہ گھوڑا، گائے، سانپوں اور دوسرے حشرات الارضی تک سے مرادیں مانگی جاتی تھیں، لیکن سروشکتی مان (مداصورت) قادر مطلق کا تصور بھی موجود تھا، دوسری طرف اس ہستی کے تین روپ مانے جاتے تھے اور آج تک یہ تصور اسی شد ومد سے قائم ہے وہ تین روپ اس طرح ہیں، (۱) برہما (۲) وشنو (۳) شیو۔(۱)

برہما:

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق برہما اس عالم کا خالق ہے، نظام عالم کو متحرک کرنے کے بعد برہما کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس لئے ہندوؤں میں اس کی عبادت تقریبا معدوم ہے تاہم خالق کائنات ہونے کی وجہ سے اس کا احترام اب بھی بہت زیادہ کیا جاتا ہے، ہندوستانی آرٹ میں برہما کو چار باریش چہروں اور چار بازوں کے ساتھ سرخ رنگ میں دکھایا جاتا ہے، ایک ہاتھ میں چمچہ دوسرے ہاتھ میں لوٹا تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہیں، اور اسے راج ہنس پر سوار دکھایا جاتا ہے اس کی بیوی فنون لطیفہ کی دیوی کہلاتی ہے۔(۲)

منو اسمرتی کے باب اول میں لکھا ہے کہ اس عالم کا خالق دراصل پرمیشور ہے، پھر پرمیشور نے برہما کو پیدا کر کے نظام عالم کو اس کے حوالے کر دیا، جیسا کہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی نے اپنی کتاب دراسات فی الھندوسیۃ میں لکھتے ہیں:

"کانت الدنیا غامضة، لا توجد لها علاقة، ولا وسیلة للوصول الیها ثم ظهر" "برمیشور" (الاله الأکبر) بمادة التکوین، وأراد أن یخلق خلقا من ذاته فخلق الماء والقی فیه التطفة، واصبحت هذه النطفة بیضة، فخرج منها "برهما" وکسر البیضة لصفین، فخلق من أحدهما الجنة، ومن الثانی الأرض والسماء وبینهما، والجهات الثمانیة، والبحور المتموجة، ثم أخرج من فمه طائفة البراهمة ومن عضده طائفة "الکشتری" ومن فغذه طائفة الویشیا" ومن رجله طائفة "الشودر" فما دام برهما مستیقظا فالدنیا باقیة، فاذا أخذه النوم تقع القیامة" (۳)

یعنی دنیا پوشیدہ تھی اس تک پہنچنے کے لیے کوئی تعلق اور وسیلہ نہیں تھا، پرمیشور نے اس کو عدم سے وجود بخشا اور ارادہ کیا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا، پھر اس میں نطفہ ڈالا تو وہ انڈا بن گیا، پھر اس انڈے سے "برہما" نکلے، انہوں نے انڈے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے ایک سے جنت اور دوسرے سے زمین وآسمان اور ان دونوں کے

(۱) مذاہب عالم اور اسلام۔ (۲) تقابل ادیان۔ (۳) دراسات فی الھندوسیۃ۔

مابین جتنی مخلوق ہے،ان کو، آٹھوں جہات اور سمندروں کو پیدا کیا، پھر برہمن کو برہمانے اپنے منہ سے پیدا کیا، کھشتری کو بازو سے، ویش کوران سے اور شودر کو پیروں سے پیدا کیا (اس کے بعد برہمانے ان چاروں ذاتوں کے فرائض مقرر کردیئے، پڑھنا پڑھانا اور مذہبی رسوم کی ادائیگی برہمنوں کا کام ہے، حکومت کرنا، لڑنا بھڑنا، دیش کی حفاظت کرنا کھشتری کا کام ہے، تجارت اور زراعت کرنا ویش کا کام ہے، لیکن شودروں کے لیے برہمانے ایک ہی کام ٹھہرایا ہے اور وہ یہ کہ تن من دھن سے مذکورہ تینوں ذاتوں کی خدمت کرے) برہما جب تک بیدار رہے گا دنیا باقی رہے گی، جب سوجائے گی تو قیامت آجائے گی۔

وشنو:

وشنو دنیا کی بقاء اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے، اس کی مرکزی خصوصیت انسانیت کے ساتھ اس کا تعلق شمار ہوتی ہے اور اس کی بیوی ''لکشمی'' دولت اور عیش وعشرت کی نمائندہ ہے۔

ہندوؤں کے یہاں الوہیت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا الہ حرکت کے بجائے سکون کا مظہر ہوتا ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ انسانی دعاؤں اور عبادتوں کی بدولت وشنو کو حرکت میں لایا جاسکے، لیکن مادی دنیا میں معبود کا آنا حلول کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ کسی نیک انسان میں حلول ہوکر غم زدہ افراد کی فریاد رسی کرے، وشنو بڑا معبود تھا اور ہندوؤں کے دو مشہور معبود رام اور کرشن اسی وشنو کے اوتار سمجھے جاتے ہیں، یعنی دونوں میں خود وشنو مجسم ہوگیا تھا، یہ حلول انسانی شکل وصورت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ وہ جانوروں اور پودوں کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے، مثلاً وہ کبھی کچھوا بن سکتا ہے کبھی مچھلی کی شکل میں ظاہر ہوسکتا ہے اور کبھی کیڑوں مکوڑوں میں ظہور کرسکتا ہے۔

وشنو کے چار ہاتھ ہیں پہلے ہاتھ میں سنکھ، دوسرے میں گرز تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول کا پھول ہوتا ہے اور یہ انسان اور پرندے سے مرکب ایک جانور پر سوار ہوتا ہے۔(۱)

وید میں وشنو کے بارے میں لکھا ہے کہ جس کا ترجمہ عربی میں یہ ہے:''وشنو هو الاله الثانى وهو خالق السماوات والأرض وما بينهما، وهو على كل شئ حفيظ، له أعين فى جميع الجهات، وله وجه فى جميع الجهات، وله أيدوا أرجل كثيرة وهو وحده لا شريك له.''

وهو ذات واحدة يسمى "پرم هرش" له آلاف الرؤوس، وآلاف الأعين، وآلاف الارجل وهو محيط بجميع العالم ومنفصل عنه، وكل ما كان يكون فهو صادر منه، وهو مالك الحياة الأبدية ولا يعاقب على أي عمل يعمله كلها خير. (۲)

یعنی وشنو یہ دوسرا الہ ہے، یہی آسمان وزمین اور ان کے مابین جتنی چیزیں ہیں سب کا خالق اور محافظ ہے، تمام جہات میں ان کی آنکھیں اور چہرے ہیں اور ان کے بہت سے ہاتھ وپیر ہیں اور خود وحدہ لاشریک ہے۔

---

(۱) اسلام ومذاہب عالم، تقابل ادیان۔ (۲) دراسات فی الہندوسیۃ۔

وہ ایک ایسی ذات ہے جس کا نام ''پرم ورش'' (Perm Purush) ہے، اس کے ہزاروں سر اور آنکھیں اور ہزاروں پیر ہیں اور وہ پورے عالم کو محیط ہے اور کائنات سے الگ ہے اور جو کچھ اس عالم وجود میں صادر ہوتا ہے، سب کا فاعل وہی ہے، وہی حی قیوم ہے، وہ بندے کے کسی کام پر سزا نہیں دیتا (اس لیے کہ بندے کے تمام اعمال کا خالق وہی ہے) اور اس کے تمام اعمال خیر ہیں۔

شیو:

ہندوؤں کے یہاں شیو کو وشنو کا ضد سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ زندگی کی پرانی صورتوں کو مٹاتا ہے، تعمیر وتخریب کی تمام قوتوں کا مالک ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور ہزاروں کو جنم دیتا ہے، ہندوستان کے اکثر سفیاسی (فقیرم اور ہندو عابد اس کے پرستار ہیں، اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ بھی ہوتی ہے جسے ''ترلوچن'' کہتے ہیں۔

شیو کی سب سے اہم علامت ''ترشول'' ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر سادھو ترشول اٹھائے ہوئے یا اپنے چہروں پر ترشول کی تصویر بنائے ہوئے نظر آتے ہیں، شیو کی بیوی ''پاربتی'' کہلاتی ہے، اس کا ایک نام ''اوما بھوانی'' ہے، اس کی کئی کردار ہیں اور ان میں سے ہر کردار کو مختلف صورتوں میں ظاہر کیا جاتا ہے:

۱- پاربتی کی حیثیت سے وہ ایک حسین عورت اور رحم دل ماں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے، گویا وہ مخلوق کی ہمدرد اور غمگسار ہے۔

۲- پاربتی کی ایک حیثیت دُرگا دیوی کی صورت میں ظاہر کی جاتی ہے جو شیر پر سوار ہے اور نہایت غضبناک حالت میں دکھائی جاتی ہے۔

۳- ایک صورت میں وہ کالی دیوی کے روپ میں نظر آتی ہے اس حیثیت سے اسے زلزلوں، طوفانی اور سیلابوں کی دیوی مانا جاتا ہے، مورتی کے روپ میں اس کے ہاتھ میں کٹا ہوا سر اور گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہوتی ہے(۱)

شیو (یعنی مہادیو کے پوجا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مہادیو کا لنگ یعنی آلت کی صورت بنا کر اس کو جلہری میں رکھ کر پوجتے ہیں اور جلہری فرج کی شکل پر ہوتی ہے، اور مہادیو کی لنگ پر جل دھارا (یعنی پانی یا پانی اور دودھ ملا کر اس کی دھار) بہت دیر تک دیتے ہیں اور مرد وعورتیں لڑکے ولڑکیاں سب جا کر لنگ اور جلہری کی درشن (یعنی زیارت) کرتے ہیں اور لنگ کی پوجا کا سبب کئی ایک ویدوں میں لکھے گئے ہیں، ہندوؤں کی کتاب ''شب پوران'' میں یوں لکھا ہے کہ ایک بار پاربتی مہادیو کی بیوی نے جماع کی خواہش ظاہر کی، پہلے مہادیو نے انکار کیا پھر ان کے اصرار پر راضی ہوگئے۔ (جاری)

☆☆☆

(۱) مذاہب عالم اور اسلام، تقابل ادیان۔

نوائے قرآن

عبدالرحیم ریاضی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم ، أما بعد:

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم ﴿قد جاء كم بصائر من ربكم فمن أبصر فلنفسه ومن عمى فعليها﴾ (الأنعام: ١٠٤)

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں، سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے وہ اپنا نقصان کرے گا۔

انسانی اور اخلاقی قدروں کی دنیا کے تمام مذاہب میں بڑی اہمیت ہے، ہر دین ومذہب اپنے پیروکاروں کو اخلاق حمیدہ پر کاربند رہنے کی تلقین کرتا ہے اور رذائل اور فواحش ومنکرات سے اجتناب اور بعد اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر ان مذاہب وملل کے مطالعہ سے ان اقدار کی حتی الامکان سیرابی وتشفی نہیں ہوتی۔ دوسری جانب جب ہم اسلامی تعلیمات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہمارے اوپر روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جس طرح سے اخلاق حسنہ کی تعلیم قرآن مجید میں موجود ہے اور خالق کائنات نے اپنے برگزیدہ رسول کو جن اوصاف سے متصف بتایا ہے وہ اہل اسلام کے لیے باعث فخر وانبساط ہے، قرآن نے جہاں آپ کو اخلاق کے اعلی ترین مرتبے پر فائز بتایا ہے تو خود رسول اسلام نے اپنی بعثت کا مقصد اخلاق فاضلہ کو لوگوں میں رائج کرنا اور اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا بتلایا ہے، مگر افسوس آج اسی نبی ﷺ کی امت ان اخلاق سے کوسوں دور جا پڑی ہے، ذیل کی سطور میں ایسے ہی کچھ اخلاق کا ذکر ہے، امید کہ ہمارے لیے بصیرت افروز ہوں اور اخلاق سنوارنے پر ہماری مدد کرسکیں۔ آئیے ذرا انہیں کلام الٰہی کی پرنور فضا میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

انسان کے دل کی جہاں بہت سی ضروریات ہیں وہیں اسے اللہ کے کلام سے لذت حاصل کرنے، اس کے ذکر سے خود کو معمور کرنے کی بھی شدید ضرورت ہوتی ہے، دلوں کی وحشت صرف اللہ کی کتاب کی محبت کے ذریعہ ہی دور کی جاسکتی ہے، اس کی بے چینی اور خوف وہراس سے صرف اللہ کی بشارتیں ہی اطمینان بخش ہوسکتی ہیں، دلوں کے فاقے کو صرف اللہ کے کلام کی حکمتوں اور احکام کے توشوں سے ہی دور کیا جاسکتا ہے، اس کو حیرت وپریشانی سے راہ مستقیم کی طرف ہدایت صرف اسی پاک پروردگار کے کلام کے نور اور اس کی کتاب کی واضح نشانیوں سے ہی ممکن ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ''دلوں کی اصلاح کے لئے امت قرآن کی ہدایتوں کی شدت سے محتاج ہے تاکہ وہ اس کے مفہوم کو سمجھے اور راہ استقامت پر ثابت قدم رہے۔''

جب یہ بات مسلم ہے کہ قرآن ہمارے لئے سرچشمۂ ہدایت اور مشعل راہ ہے تو آیئے ذرا ہم اس کی چند آیات کے اندر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ سرچشمۂ ہدایت ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۲۷ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ

ارشادفرماتا ہے:’’و یوم بعض الظالم علی یدیه یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا ‘‘اوراس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چباچبا کر کہے گا ہائے کاش میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی ’’ یا ویلتیٰ لیتنی لم أتخذ فلانا خلیلا ‘‘(الفرقان:۲۷،۲۸)افسوس کاش میں نے فلاں کودوست نہ بنایا ہوتا۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نافرمانوں اور گنہگاروں سے دوستی نہیں رکھنی چاہئے،اس لئے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت بد سے انسان برا بنتا ہے۔اکثر لوگوں کی گمراہی کا سبب غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے،اس لئے احادیث رسول ﷺ میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکیداور بری صحبت سے اجتناب کرنے کوایک بہترین مثال کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے،چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے:’’ عن أبی موسی الأشعری عن النبی ﷺ قال: انما مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کحامل المسك و نافخ الکیر فحامل المسك اما أن یحذیك و اما أن تبتاع منه و اما أن تجد ریحا طیبة، و نافخ الکیر اما أن یحرق ثیابك و اما أن تجد ریحا خبیثة ‘‘(صحیح البخاری کتاب الذبائح باب:۳۱)۔

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اچھے اور برے ساتھی کی مثال مشک کی خوشبو بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی مثال ہے،مشک بیچنے والا یا تو تمہیں مشک عطا کرے گا یا تم اس سے خریدلوگے یا پھراس کی خوشبوہی محسوس کروگے،مگر بھٹی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا پھر تم بھٹی کی بدبومحسوس کروگے۔

اور ترمذی کی ایک حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تم میں سے ہر کوئی غور کرے کہ وہ کسے دوست بناتا ہے؟(ترمذی: کتاب الزھد)

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نیکوکاروں کے ساتھ مل کر پتھر ڈھونا،بدکاروں کے ساتھ کھجور اور گھی سے بنا ہوا عمدہ حلوہ کھانے سے بہتر ہے۔(تفسیر قرطبی سورہ فرقان:۲۸)

لہٰذا دوست اور ساتھی بہت سوچ سمجھ کر احتیاط کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے،کہیں ایسا نہ ہو کہ روز قیامت ہمیں بھی اگلی آیت کے مصداق کہنا پڑے کہ﴿لقد أضلنی عن الذکر بعد اذ جائنی وکان الشیطان للانسان خذولا﴾ (الفرقان:۲۹)اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کردیا کہ نصیحت میرے پاس آپہونچی تھی اور شیطان تو انسان کو دغا دینے والا ہے۔لہٰذا اس دارعمل میں ہی ہم اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر کرلیں اور قرآن کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی نصیحتوں کو گانٹھ باندھ لیں تاکہ ہماری زندگی بھی راستی کی زندگی ہو اور آخرت بھی سنور جائے،آیئے ذرا ہم رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث کو بھی بغور پڑھ لیں اور ہم میں کا ہر شخص اس حدیث میں مذکور تعلیمات کو عام کرنے کا عزم کرے،ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری زندگیوں کوراہ حق پر گامزن کردے۔

عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من یأخذ من أمتی خمس خصال فیعمل بهن أو یعلمهن من یعمل بهن قال قلت أنا یا رسول الله فأخذ بیدی فعدهن فیها ثم قال: اتق المحارم تکن

اعبد الناس، وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس، وأحسن الى جارك تكن مؤمنا، وأحب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما، ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب''۔(مسند احمد ج:۲ص:۳۱۰، بخاری فی الادب المفرد:۲۵۲،ابن ماجہ:۴۲۱۷ترمذی کتاب الزھد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون میری امت میں سے ہے جو پانچ خصلتیں اختیار کرے گا پھران پر عمل پیرا ہوگا؟ یا انہیں ایسے شخص کو سکھائے گا جو اس پر عمل کرے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں اے اللہ کے رسول! تو اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر ان خصلتوں کو شمار کیا اور فرمایا:

۱-اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچو تم سب سے بڑے عبادت گذار بن جاؤ گے۔

۲-اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس سے راضی ہو جاؤ تم سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ گے۔

۳-اپنے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کرو تم مؤمن ہو جاؤ گے۔

۴-جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو تم مسلمان بن جاؤ گے۔

۵-زیادہ مت ہنسا کرو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے معاشرے کو ایک خوشحال اور اسلامی معاشرہ بنا سکتے ہیں، ورنہ اگر ہم ہر کسی کی رضا جوئی کی سعی لا حاصل کرتے رہے تو ہم رسول ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے والوں میں شمار ہوں گے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق آنحضور ﷺ رب کی بارگاہ میں شکوہ کریں گے اور استغاثہ دائر کریں گے کہ ﴿ وقال الرسول يا رب ان قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا ﴾ (الفرقان:۳۰) اور رسول فرمائیں گے کہ اے میرے پروردگار بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا، مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور مچاتے تھے تاکہ قرآن سنا نہ جاسکے، یہ بھی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے، اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی قرآن کا ترک اور چھوڑنا ہے، اس میں غور وفکر نہ کرنا اور اس کے اوامر ونواہی کی پابندی نہ کرنا بھی قرآن سے اعراض ہے، اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو اس پر ترجیح دینا بھی قرآن کا چھوڑ دینا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! آیئے ہم یہ عزم کریں کہ کلام پاک کو اپنی زندگی پر لازم کرلیں گے اس کو مع ترجمہ وتفسیر کے سمجھ سمجھ کر پڑھنے اور پڑھانے کو ترجیح دیں گے، صرف لفظی تلاوت پر اکتفا نہیں کریں گے، کہیں قیامت کے دن حشر کے میدان میں ہم سے پوچھ نہ ہو جائے کہ ہم نے تمہارے درمیان اپنی کتاب نازل فرمائی تھی آپ نے اسے سمجھنے کی کوشش کیوں نہ کی؟

میرے عزیز بھائیو! قرآن کریم کا اردو، ہندی، انگریزی ترجمہ وتفسیر موجود ہے، اس کو پڑھیں اور نزول قرآن کے مقصد کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔ یہی ہمارے رسول (ان پر میرے ماں باپ فدا ہوں) کی زندگی تھی ۔

جو سر بسر ہے کلام ربی وہ میرے آقا کی زندگی ہے

وما تفعلوا من خير فان الله به عليم۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين۔

☆☆☆

سیاسی زلزلے

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

گذشتہ ماہ دو ہولناک سیاسی زلزلے آئے، ایک بین الاقوامی پیمانے پر دوسرا قومی پیمانے پر۔ اول الذکر کی شدت پوری دنیا میں محسوس کی گئی، اس کے اثرات ونتائج کے متعلق قیاس آرائیاں جاری ہیں۔ ثانی الذکر نے اگر چہ عوامی زندگی کو زیادہ متاثر نہیں کیا، لیکن حکومت اور سیاسی پارٹیوں کو ضرور ہلا کر رکھ دیا۔ اس زلزلے کے اثر سے پارلیامنٹ کی کاروائیاں تک تعطل کا شکار ہوگئی ہیں، مہاراشٹر کا وزیر اعلی بدل گیا، تامل ناڈو کا سیاسی تخت ہل گیا۔

پہلا زلزلہ: وکی لیکس اور امریکہ:

وکی لیکس کسی شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ویب سائٹ ہے جس کے انکشافات نے پوری دنیا خصوصا امریکہ میں تہلکہ مچا دیا ہے، خفیہ رازوں کے افشا نے وہائٹ ہاؤس کو حواس باختہ کر دیا ہے، یہ انکشافات اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ امریکہ اپنی چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کے لیے پوری دنیا کو جاسوسی نظام کے جالوں میں گرفتار کر رکھا ہے، اپنے مفادات کے سامنے وہ ہر قسم کی دوستی اور دشمنی کی تمیز کھو بیٹھا ہے، وہ اپنی ریشہ دوانیوں پر قطعا شرم سار نہیں ہے بلکہ اسے افسوس اس بات کا ہے کہ اس کے خفیہ رازوں کو دنیا نے جان لیا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے اپنی لابی کو مزید مستحکم بنانے میں اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔

امریکہ کا یہ کھیل نیا نہیں ہے، صدیوں سے سیاسی اسٹیج پر اس قسم کے ڈرامے ہوتے رہے ہیں، تقریبا ڈیڑھ سو سال قبل جرمنی کا چانسلر بسمارک، جسے یوروپ کا مداری کہا جاتا ہے، اپنی ڈگڈگی کے اشارے پر پورے یورپ کو عرصۂ دراز تک نچاتا رہا، یہودیوں کی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم ''ماسونیت'' ایسے کھیلوں کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے، اٹھارہویں صدی اور اس کے بعد دنیا اور خصوصا یوروپ میں جس قدر سیاسی تبدیلیاں آئیں، معاشی اور سیاسی نظریات نے بال و پر پھیلائے، استعماریت کے اژدہے نے ایشیائی ممالک کو نگلنے کی کوشش کی، ان سب کے پس پردہ یہی تنظیم تھی جو ڈور ہلا رہی تھی، جرمنی کا ایک نواب جو ماسونی تنظیم کا سرگرم ممبر تھا، ایک ڈائری میں ان یادداشتوں کو نوٹ کیا اور یہ انکشاف کیا کہ یورپ میں سیاسی اتھل پتھل اور جنگوں کا ذمہ دار ایک یہودی خاندان تھا، یہ ڈائری Hidden Hand کے نام سے شائع ہوئی، کتاب کے شائع ہوتے ہی وہ ایک ہوٹل میں مردہ پایا گیا، اس کتاب کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے، کتاب کا عربی ترجمہ "اليد الخفية" کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، برطانیہ دوسو سال تک یہی کھیل مسلم ممالک کے ساتھ کھیلتا رہا، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے فلسطین کو چھین کر یہودیوں کو دے دیا گیا، ترکی سے خلافت کا خاتمہ ہوا، بلقان کے وسیع علاقے کو اس سے ہتھیا لیا گیا، ہندوستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

ماضی کی اس تاریخ اور حالیہ برسوں کے واقعات میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے قیادت برطانیہ کے ہاتھوں میں تھی اور اب امریکہ کے ہاتھ میں ہے، عراق وایران کی جنگ، کویت پر عراق کا قبضہ اور کویت کو آزاد کرانے کے لیے امریکہ کا میدان عمل میں آنا، فرضی کیمیاوی اسلحوں کا شگوفہ چھوڑ کر عراق میں مسلمانوں کا قتل عام، صدام حسین پر شکنجہ کسنا، افغانستان کی تباہی ایک طویل ڈرامے کے مختلف مناظر ہیں جسے بڑی چابک دستی اور ہنرمندی سے ترتیب دیا جا رہا ہے، ڈرامے کا ڈراپ سین ہونے سے قبل ہی اسکرپٹ کا لیک آؤٹ ہونا یقیناً امریکہ کے لیے انتہائی تشویش ناک ہے۔

اس گلوبلائزیشن کے دور میں ہر سیاسی شعور رکھنے والا اس بات سے نابلد نہیں ہے کہ آج دنیا امریکہ کے اشارے پر ناچ رہی ہے، سقوط روس کے بعد بلا شرکت غیرے وہ میر کارواں بن چکا ہے، اس کا جاسوسی کا نظام انتہائی فعال اور سرگرم ہے اور وہ اپنے مفادات کو انسانیت کے ہر اصول سے مقدم رکھتا ہے، ادارہ اقوام متحدہ اس کے ہاتھوں کا کھلونا ہے، لیکن دستاویزی ثبوت کسی کے پاس نہ تھے، انہیں طشت از بام کیا وکی لیکس ویب سائٹ نے، جس کا خمیازہ ویب سائٹ کے بانی جولین اسانجے کو بھگتنا پڑا۔

ترقی یافتہ ممالک میں جاسوسی کے عمل کو بہت زیادہ قبیح نہیں سمجھا جاتا ہے، ہر ملک چاہتا ہے کہ وہ اپنے حریفوں کے رازوں سے زیادہ سے زیادہ واقف ہو اور ان سے فائدہ اٹھائے، وہ لیڈروں، رہنماؤں، سفارت کاروں اور حکومت کے حساس شعبوں تک رسائی حاصل کرنے کی جی جان سے کوشش کرتا ہے، امریکہ بھی یہی کر رہا ہے، لیکن ذرا وسیع پیمانے پر، اس لیے کہ اس کے پاس ایسے ذرائع ہیں جو خواب گاہوں تک پہنچ سکتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے دشمنوں کے ساتھ ان ملکوں کو بھی نہ چھوڑا جن سے دوستی کا وہ اعلان کرتا ہے اور جن سے رشتوں کے استحکام کا دعوی کرتا ہے۔

امریکہ کے لیے یہ لمحہ فکریہ یہ ضرور ہے لیکن اس سے زیادہ ان ملکوں کو چوکنا ہونے کی ضرورت ہے جو امریکہ کے ڈبل گیم سے واقف ہوتے ہوئے بھی مکمل طور سے اس پر اعتماد کیے ہوئے ہیں، خصوصا عالم اسلام کو اپنی سیاسی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنا چاہئے، اس کے وار کا منہ توڑ جواب صرف مومنانہ فراست ہی دے سکتی ہے، عالمی سیاست کے منظرنامے اور وکی لیکس کے انکشافات کے متعلق اخباری تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ زد براہ راست یا بالواسطہ بہر حال مسلم ممالک اور عالم اسلام پر پڑ رہی ہے، امریکہ سے دامن چھڑانے کا یہی بہترین موقع ہے۔

دوسرا زلزلہ: بدعنوانیوں کا سیلاب:

دوسرے زلزلے کا تعلق ہمارے بھارت سے ہے اور وہ ہے عظیم پیمانے پر بدعنوانیوں اور مختلف حکومتی شعبوں میں غبن اور خیانت کی دھماکہ خیز خبریں۔ ہندوستان میں غبن اور بدعنوانی کے انکشافات روزمرہ اور معمول کی خبریں بن چکی ہیں، لیکن جس رفتار سے بدعنوانی اپنی ارتقائی منازل طے کر رہی ہے وہ یقیناً تشویش ناک ہے، حتی کہ الہ آباد ہائی کورٹ کو کہنا پڑا کہ آزادی کے بعد ساٹھ سالوں میں ہندوستان میں جس چیز نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے وہ ہے بدعنوانی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی اور چیز میں ہندوستان نے اپنی شناخت بنائی ہو یا نہ بنائی ہو لیکن اس میدان میں اسے کوئی نہیں پچھاڑ سکتا ہے۔

اکیسویں صدی میں قدم رکھتے ہی بدعنوانی کے میدان میں جو سرعت رفتاری دیکھنے کو ملی وہ یقیناً حیرت انگیز ہے، ایک محکمہ میں گھپلے کی خبر پرانی نہیں ہونے پاتی ہے کہ دوسرے محکمہ میں اس سے بڑے گھپلے کا انکشاف ہوتا ہے، دولت مشترکہ کے کھیلوں میں قومی خزانہ کی لوٹ کی خبریں اور اس کی جانچ کا سلسلہ چل رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ مواصلات کے وزیر اے راجہ نے کروڑوں کا وارہ نیارہ کر دیا، مہاشٹر میں آدرش کالونی میں خیانت اور غبن نے وزیر اعلی چوہان کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا حتی کہ فوج کے بڑے بڑے آفیسران بھی اس لعنت میں گرفتار ہونے سے نہ بچ سکے۔

۲۰۰۰ء سے بدعنوانیوں میں اس قدر برق رفتاری سے اضافہ کے عوامل اور محرکات کیا ہیں؟ کیا سنجیدگی سے ان پر روک تھام کی کوشش نہیں کی جا رہی ہے یا ہمارے قونین کی نرمی و لچک اور انتظامیہ کی مداہنت مجرمین کو ہتھکڑی لگانے سے مانع ہے، حکومت کا کوئی بھی شعبہ بے داغ نہیں بچا ہے، ہر جگہ رشوت ستانی اور بدعنوانی کا بازار گرم ہے، جانچیں ہوتی ہیں، کمیشن بٹھائے جاتے ہیں، عدالت

میں مقدمے چلتے ہیں، لیکن مجرمین کا کچھ نہیں بگڑتا ہے، ان کی سیاست کی دکانیں بدستور چمک رہی ہیں، نوکر شاہی اپنے کرسیوں پر براجمان ہے، بدعنوانیوں کا یہ سرطان ہمارے نظام معیشت کو جس طرح کھوکھلا کر رہا ہے ایسے میں ترقی یافتہ بننے کا خواب شاید ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔

میری نظر میں بدعنوانیوں کا یہ چلن دہشت گردی سے زیادہ خطرناک ہے، دہشت گردی کا دیو جس علاقے میں خونی رقص کرتا ہے اس کی ہلاکت خیزیاں صرف اسی علاقہ تک محدود رہتی ہیں، لیکن بدعنوانی کا سرطان تو پورے ہندوستان کے نظام معیشت کو متاثر کر رہا ہے، ترقی کے جس قدر خلیے بنتے ہیں اس سے کہیں زیادہ خلیے بدعنوانی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، اگر کسی قوم کا نظام معیشت اس قسم کی انارکی سے دوچار ہو جائے تو ترقی کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، صرف دولت مشترکہ کے کھیل منعقد کرا کے قومی دولت کو ضائع کرنا حقیقی ترقی تو نہیں ہے، ساتوں سوار میں بزعم خویش شامل ہو کر چند لمحوں کے لیے خوش ہولیں، لیکن اس سے عوام کو خوش حالی نہیں مل سکتی ہے، تعلیمی میدان کی پس ماندگی نہیں دور ہو سکتی ہے، ہمارا شمار ترقی یافتہ قوموں میں نہیں ہو سکتا ہے۔

فرد، معاشرہ، قوم اور ملک کی ترقی کے لیے ایمان داری، محنت اور وفاداری یہ تین عناصر نہایت ضروری ہیں، ایمان داری کو فروخت کر کے قوم کے افراد بے ایمانی پر اتر آئیں، محنت اور لگن سے کام کرنے کے جذبے سے عاری ہوں، اپنے فرائض منصبی سے وفاداری نہ پائی جائے تو ترقی کا خواب دیکھنا دیوانے کے بڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

بدعنوانیوں کا خاتمہ کس طرح ہو، ان کی جڑوں کو ہم کہاں تلاش کریں کون سا ایسا فارمولہ ایجاد کیا جائے جو ہمارے نیتاؤں، سرکاری افسروں، عام ملازمین اور حکومتی شعبوں سے بدعنوانی کے جراثیم کا خاتمہ کر دے، یہ کوئی ناقابل حل مسئلہ نہیں ہے، لالو پرساد یادو نے ریلوے محکمہ کے نفع کو جب پیش کیا تو دوسرے ممالک کے لوگ ان سے اس ہنرمندی کا گر سیکھنے آئے، ہماری برسر اقتدار حکومت کو چاہئے کہ ایسے ملکوں سے جہاں بدعنوانی کا گذر نہیں ہے، اس گُر کو جانیں، دہشت گردی کی طرح اس کے لیے بھی سخت تعزیری قوانین اس طرح بنائے جائیں کہ مجرمین کسی طرح نہ بچ سکیں، صرف تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے اور جانچیں کرنے سے کام نہیں چل سکتا ہے، ان کی دولت اور املاک کو ضبط کر کے داخل خزانہ کیا جائے، مصیبت یہ ہے کہ ہمارے ملک کی سیاسی پارٹیاں ہر قسم کے افراد کے داخلہ کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھتی ہیں، جس سے بدعنوان، بدکردار اور جرائم پیشہ افراد کو سیاست میں گھسنے کا موقع ملتا ہے اور وہ نہ صرف اپنی پارٹی بلکہ ملک وقوم کے لیے بدنامی کا سبب بنتے ہیں۔ حکومت میں نمائندگی کا حق صرف انہیں افراد کو دیا جائے، جن کا کردار صاف ستھرا ہو، ان کی عوامی خدمات کا ریکارڈ ہو، ان کا پس منظر داغ دار نہ ہو، حکومتی شعبوں سے منسلک اعلی اور ادنی ملازمین کے لیے تطہیری عمل ہو، قصوروار افراد خواہ وہ سیاسی رہنما ہوں، سرکاری ملازم ہوں یا عام آدمی، ان کا مقاطعہ ہونا چاہئے، کھلاڑیوں کی طرح بدعنوان سیاسی نیتاؤں کے الیکشن لڑنے پر عمر بھر کے لیے پابندی عائد کی جائے اور باقاعدہ اس کی تشہیر کی جائے۔ راشی اور بدعنوان سرکاری ملازمین کو فوراً ملازمت سے برخاست کیا جائے۔ اس طرح کے اقدامات پر اگر سختی سے عمل کیا جائے تو قومی خزانہ کی کثیر رقم جو غیر ملکی بینکوں میں جا رہی ہے، ان کا سلسلہ شاید رک جائے اور بدعنوانی کا سیلاب ٹھہر جائے۔ ہمارے وزیر اعظم منموہن سنگھ نے حق فراہمیٔ اطلاع کو قانونی شکل دے کر بدعنوانیوں کو رسوائی کے دروازہ تک پہنچانے کا ایک راستہ ضرور بنا دیا، لیکن شفافیت لانے کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے، قانون تو ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ چور دروازے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جرائم سے دوری کی صرف دو ہی صورتیں ہیں خوف خدا اور دنیاوی سزا کا ڈر۔ خوف خدا نہ سہی کم از کم دنیاوی سزا تو اس قدر سخت ہو کہ جرائم خصوصاً بدعنوانی کا خاتمہ ہو سکے۔ ☆☆☆

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:۹)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

علی برادران کا دور:

مولوی نصیر الدین کے سانحۂ شہادت کے تین چار سال بعد ہزارہ میں ایسے حالات پیدا ہوئے جو مجاہدین اور قبائلی مسلمانوں کے لئے امید افزا تھے ہزارہ اور کاغان کے غیر تمند مسلمانوں نے سوچا کہ آزادی کا اچھا موقع ہے اور اس کے لئے کوششیں تیز کردی اور ساتھ ہی عظیم آباد میں مولانا ولایت علی سے مدد طلب کی اور اس مقصد کے لئے مجاہدین سرحد کی مختصر جماعت کے امیر میر اولاد علی سورج گڑھی بھی عظیم آباد پہونچے۔ مولوی نصیر الدین کی امارت سے قبل اور بعد میں آپ ہی سرحدی مجاہدین کے امیر رہے۔ چنانچہ شاہ کاغان کے مطالبہ پر مولانا ولایت علی کو بھیجنے کی تجویز کی۔ انھیں بنگال میں یہ پیغام ملا تو دو ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر عظیم آباد پہونچے لیکن بغرض احتیاط اس جمعیت کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بانٹ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سرحد پر پہونچنے کا انتظام کیا گیا۔ [۱]

بالآخر یہ ساری جماعت تو میدان جہاد تک نہ پہونچ سکی لیکن جب ۱۸۴۴ء میں مولانا عنایت علی سرحد پر پہونچے تو مجاہدین کی خاصی تعداد پہونچ چکی تھی۔ چنانچہ مولانا نے مقامی حیرت پسندوں کے ساتھ مل کر عملی کوشش شروع کردی۔ ہزارہ گزیٹر کے بیان کے مطابق ہندوستانی مجاہدین یہ اعلان کرتے ہوئے جمع ہوئے کہ ''خلیفہ سید احمد'' شہید نہیں ہوئے ہیں بلکہ بہت جلد ظاہر ہونے والے ہیں، شمالی ہزارہ کے لوگ ان کے ساتھ ہوگئے انھوں نے شنکیاری، بیر کھنڈ، گڑھی حبیب اللہ اور اگرور کے قلعوں پر حملہ کرکے سکھ محافظ دستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ [۲]

اس سلسلے میں مولانا عنایت علی کو جو خاص کامیابی ملی وہ یہ تھی کہ مقامی معاونین کی وجہ سے انھوں نے دسمبر ۱۸۵۴ء میں بالاکوٹ پر قبضہ کرلیا۔ اب انھیں با قاعدہ امیر جہاد تسلیم کیا گیا۔ سید ضامن شاہ کاغانی نے، جو گلاب سنگھ کے خلاف جنگ حریت میں پیش پیش تھے ان کی اطاعت قبول کرلی اور ارد گرد کے علاقے کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لئے زبردست کوششیں شروع کردیں۔ گڑھی حبیب اللہ خاں محرم ۱۲۶۲ھ میں فتح ہوئی اس کے چند ماہ بعد فتح گڑھ پر جو سکھوں کا مستحکم قلعہ تھا قبضہ ہوا۔ اس کا اثر علاقے پر بہت ہوا اور سکھوں کے کئی قلعے داروں نے قلعے خالی کردیئے۔

وسط ۱۸۴۶ء میں مظفر آباد پر بھی قبضہ ہوگیا، سکھوں نے اب مانسہرہ میں قدم جمانے کی کوشش کی لیکن شکست کھائی چنانچہ مجاہدین نے تھوڑے وقت میں ایک وسیع خطے پر قبضہ جمالیا۔ اس تمام علاقے میں مولانا نے اسلامی طرز کی حکومت قائم

---

۱ سوونیر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء ص:۴۰ ۲ موج کوثر ص:۵۱

کی اور شرعی احتساب وحدود کا سلسلہ جاری کیا۔

۹/اکتوبر ۱۸۴۶ء کو اچانک مولانا ولایت علی علاقۂ مجاہدین میں پہونچ گئے۔ ۱۶/اکتوبر کو مولانا عنایت علی نے امارت جہاد ان کے سپرد کیا لیکن اب انگریزی افسر اور فوج اس علاقے میں پہونچ گئے جنھوں نے مجاہدین کو ''درۂ ڈب'' کی جنگ میں شکست دی اور علی برادران کو فوجی پہرے میں عظیم آباد جانا پڑا۔ یہاں پہونچتے ہی مولانا عنایت علی بنگال چلے گئے اور وہاں دو تین سال مصروف کار رہے۔

اس کے بعد پھر دونوں بھائیوں نے سرحد کا رخ کیا اور ۱۰/فروری ۱۸۵۱ء کو ستھانہ پہونچے ان کے زمانے میں جہاں ۵/نومبر ۱۸۵۲ء کو مولانا ولایت علی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کے زمانے میں جہاد کی کوششیں جاری رہیں لیکن نہ صرف انگریزوں کی فوجی قوت بہت بہتر اور منظّم تھی بلکہ ان کی حکمت عملی نے کئی مقامی معاونین کو مجاہدین سے الگ کرلیا، مولانا عنایت علی کو کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ ان کے آخری ایام بڑی تکلیف اور پریشانی میں گزرے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی وجہ سے انگریزوں نے مجاہدین کی مکمل ناکہ بندی کردی جس سے ہندوستانی امداد منقطع ہوگئی۔ مجاہدین فاقہ پر فاقہ کرتے۔ مولانا نے ساتھیوں کو منتشر کردیا۔ تقریباً ۲۲/مارچ ۱۸۵۸ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ [۱]

مولانا عنایت علی نے ''برٹش انڈین آرمی'' کے ہندوستانی سپاہیوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش بھی کی، اس سعی پیہم کا یہ صلہ ملا کہ ۵۵ ویں انفینسٹری کے سپاہی جو ''ہوتی مردان'' میں مقیم تھے نے بغاوت کرکے مجاہدین سے سوایا منگل تھانہ استھانہ کے قریب جاکر مل گئے۔ [۱]

عہد عبداللہ صادقپوری:

مولانا عنایت علی کے انتقال کے بعد بہار کے دوسرے فرزند میر مقصود علی کی قیادت میں منظّم ہوکر مجاہدین میدان جہاد میں کود پڑے، تقریباً ڈیڑھ سال کی امارت کے بعد میر مقصود علی کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد مولانا عبداللہ صادقپوری کو مجاہدین کا امیر منتخب کیا گیا۔ مولانا عبداللہ صادقپوری کا دور امارت بہت طویل اور پر آشوب تھا لیکن غلام رسول مہر کہتے ہیں کہ:

''ان کا عہد امارت سرگذشت مجاہدین کا سب سے شاندار باب ہے''۔

مولانا عبداللہ کی امارت میں ''درۂ امبیلہ'' میں مجاہدین اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ انگریزوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا ۱۸۶۳ء کا یہ واقعہ ہے۔ مولانا عبداللہ کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ [۲] مولوی عبداللہ کے عہد امارت میں مجاہدین کو انگریزوں کی انتقامی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔ میجر جرنل سرسڈنی کائن کی زیر قیادت پانچ ہزار فوج کا لشکر صرف اس مقصد کے لئے تیار ہوا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ کردیا جائے، چنانچہ انھوں نے اپریل ۱۸۵۸ء کے آخری ہفتے میں پنجتار اور

[۱] ملخص از موج کوثر ص: ۵۰ تا ۵۲ و سوونیر ص: ۴۰ تا ۴۱

[۲] سوونیر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء ص: ۴۱

منگل تھانہ کو تباہ کرنے کے بعد ۴ رمئی کو ستھانہ کی جانب پیش قدمی کی اور مکمل طور سے ستھانہ کو نیست و نابود کردیا۔ ستھانہ کی بربادی کے بعد جنگ امبیلہ تک مجاہدین کا مرکز رہا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد اس جنگ کے بعض سپاہی اور ان کے رہنما مثلاً بہادر شاہ ظفر کا چچیرا بھائی شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ انہیں کے عہد خلافت میں آزاد علاقے میں پہونچ کر مجاہدین سے جاملے۔ [۱] مولانا عبداللہ صادقپوری کے انتقال کے بعد مجاہدین کی قیادت مولانا عبدالکریم صادقپوری کے ہاتھوں میں آئی۔ ان کے عہد امارت کی نمایاں خصوصیات یہ ہے کہ سرحد پر موجود مجاہدین کے روابط اندرون ہند بہت سے رہنمائے آزادی سے ہوگئے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں نام مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے۔ غلام رسول مہر نے اس تعلق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مولانا عبدالکریم ہر ضروری معاملے کے متعلق مولانا آزاد ہی سے مشورہ لیتے رہتے تھے اور جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی تھی تو اپنے خاص قاصد بھیج کر اس کا انتظام کر لیتے تھے مثلاً ایک موقع پر مجاہدین کو قابل ڈاکٹر کی ضرورت پیش آئی مولانا آزاد کو یہ اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے نیازمندوں میں سے ایک ایسے نوجوان کو بھیج دیا جو ڈاکٹری کی تعلیم کے مراحل طے کر چکا تھا اگر چہ اس نے آخری سند نہ لی تھی۔ چنانچہ وہ مدت تک مجاہدین کے پاس رہا۔ پھر کابل چلا گیا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ [۱]

مولانا عبدالکریم کے بعد مولانا نعمت اللہ مجاہدین کے امیر منتخب ہوئے پھر ان کی شہادت کے بعد مولانا رحمت اللہ نے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ [۲]

اندرون ہند سرگرمیوں کا مختصر جائزہ:

سید احمد شہید کا سفر ہجرت کے بعد وہابی تحریک کے دو دھرے (Axis) تھے۔ ایک شمالی مغربی سرحد میں قائم کردہ مرکز جو بعد میں ایک آزاد ملک کی حیثیت کا ہوگیا اور دوسرا برطانوی حکومت ہند خصوصاً بنگال و بہار کے صوبوں میں پھیلے ہوئے خفیہ وہابی مراکز جو رضا کاروں کی جماعت روانہ کرتے اور نقد جنس کی صورت میں مالی امداد کی فراہمی کا اہم کام انجام دیتے تھے۔ [۳] مولانا عبیداللہ فلاحی لکھتے ہیں کہ:

''پھر یہ تحریک بالاکوٹ کی شہادت گاہ میں دفن نہیں ہوگئی بلکہ چراغ سے چراغ جلے ملک کے طول وعرض میں ہی آزادی کی لہر اٹھی۔ مورخین کی اطلاعات کے مطابق ایک ہی وقت میں ٦٦/ خلفاء نے آپ کے مشن کو زندہ رکھا اور اپنے اپنے مراکز سے مشعل ایمان و آزادی جلاتے رہے اور انگریزوں کا ناطقہ بند کرتے رہے۔''

پٹنہ مشرقی علاقہ میں دعوت واتحاد کا مرکز قرار پایا، یہاں سے پیغام و دعوت بہار و بنگال کو پہونچتی رہی اور سرحد کی جنگوں میں جوق در جوق یہاں سے افراد ملتے رہے۔ تیسرا علاقہ دکن منتخب کیا گیا جہاں ایک مسلم حکومت بھی موجود تھی تا کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا جذبہ پیدا کرے۔ چوتھا ٹونک کا علاقہ مرکز قرار پایا۔ یہاں سے راجپوتانہ اور وسط ہند کے لئے تبلیغ

[۱] ایضاص:۴۲ [۲] موج کوثرص:۵۳

وہدایت کا پیغام دیا جاتا تھا۔ [1]

یہ تو چند ممتاز و معروف مراکز تھے جو اپنے امتیاز کی وجہ سے نمایاں ہوگئے تھے، ورنہ گھر گھر اس تحریک کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں سے خلق خدا کی ہدایت واصلاح کی جاتی تھی، شرک وبدعت اور غلط رسم ورواج کا قلع قمع کیا جاتا تھا مجاہدین سرحد کے لئے نقد اور دیگر ضروری اخراجات کی فراہمی اور رنگ روٹوں کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ مسلمانان ہند کا ایک ایک فرد اس سے وابستہ تھا۔ عقیدت مندوں اور محبوں کا ایک ہجوم تھا جو کسی بھی وقت اس تحریک کے لئے جان ومال کو قربان کر سکتے تھے۔ وہ افسروں اور فوجی جرنلوں تک کو خریدنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ خواجہ علی حسین خان ''پٹنہ'' نے ایک مرتبہ ایک رجمنٹ سے کہا تھا کہ اگر رجمنٹ کے سردار یہ ضیافت قبول کریں تو میں ان کو ایک ماہ کی تنخواہ دونگا، مجھ کو ایک کروڑ روپئے تک خرچ کرنے کا اختیار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ ان کے تصرف میں کون کون سے علاقے ہیں جہاں ان کے کارندے کام کررہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کانپور، بنارس، الہ آباد، سگولی (ضلع چمپارن) اور ڈورنڈا (ضلع ہزاری باغ) کے نام لئے۔ [2] یہ تو اندرون ہند وہابی تحریک کی سرگرمیوں کی ایک ہلکی سی جھلک ہے ورنہ عظیم آباد پٹنہ جو دہلی کے بعد تحریک کا مرکز قرار پایا تھا میں باقاعدہ رضا کاروں کی بھرتی اور ان کی تربیت کی جاتی تھی اور انہیں سرحد بھیجنے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ بیک وقت چھ چھ سو افراد اس مرکز پر جمع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سرحد پر جماعت مجاہدین کے لئے مال وہتھیار کا بندوبست ہندوستان میں مقیم اراکین تحریک ہی کرتے تھے۔ ایک بے نظیر نظم وضبط تھا، اور تعجب تو یہ ہے کہ یہ سب اسی انگریز کے ماتحت علاقوں میں انجام پاتا تھا جس کے خلاف جنگ جاری تھی اس کا اعتراف مشہور انگریز مصنف ہنٹر نے بھی کیا ہے کہتا ہے کہ:

''۱۸۵۲ء میں ان کا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا، ستھانہ کیمپ میں برطانوی علاقے سے آدمی اور روپئے کی آمد برابر جاری تھی اور ہماری فوج سے ان کی باغیانہ خط وکتابت بھی پکڑی گئی۔ [3]

☆☆☆

[1] سرگزشت مجاہدین ص:۴۹۹

[2] سوونیر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء ص:۳۷

[3] سوونیر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء ص:۱۶

اسلام اور معاہدات

شیخ محمد شلتوت مصری
ترجمہ: مولانا خلیل احمد صاحب

دعوت اسلامی سے پہلے عالم انسانی پر جس چیز نے اپنا سکّہ جاری کر رکھا تھا اسے اگر ہم ایک کلمے سے تعبیر کریں تو وہ ''خود سری'' تھی عقیدہ وفکر پر اسی کا تسلط تھا، اجتماعی تعلقات میں اسی کی کارفرمائی تھی۔ نظام حکومت اسی کے زیر اثر تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حیوانی جذبات اور بہیمانہ جوش وجنوں ہی دراصل عالم انسانی کے کرتا دھرتا تھے۔ انہی کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار کی زمام تھی اور انہی کے منشاء کے مطابق تعلقات اور روابط طے پاتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ حیوانی جذبات کی قلمرو میں فرد اور فرد کے مابین اور قوم اور قوم کے درمیان تعلقات کی نوعیت قوت اور کمزوری کے پیمانہ کے لحاظ سے ہی متعین ہوسکتی ہے چنانچہ اس وقت بھی یہی پیمانہ رائج تھا۔ اور اسی کے نتیجہ میں طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ توانا ناتواں کا حق غصب کر لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتا تھا اور غالب مغلوب کا خون نچوڑ لینے کو پیدائشی حق تصور کرتا تھا۔ الغرض قوت وقہر جبروت وکبریائی اور سلب ونہب کی ہر سو فرمانروائی تھی۔

اسلام کی داخلی وخارجی سیاست کا سنگ بنیاد:

ان ہنگامہ ہائے دستاخیز اور غلغلہ ہائے داروگیر کے عین شباب میں خورشید اسلام مطلع عالم پر نمودار ہوا، اس کی عالمتاب شعاعوں کے ذریعہ ذات خداوندی نے انسانوں پر عمل وسلامتی کی راہ کھولی اور کفر وسرکشی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان ورحمت کے نور کی جانب ان کی رہنمائی کی۔ چنانچہ اسلام نے اس سرکش اور جارح ماحول کے اندر انسانوں کو وحدتِ انسانیت کی دعوت دی۔ اس وحدت میں قومیت ورنگ ونسل کی بنا پر تفرقہ اندازی اور گروہ سازی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اسی طرح اسلام نے دوسرے جس اصول کا اعلان کیا وہ بے لوث عدل وانصاف تھا۔ جو یگانے اور بیگانے کے تصور سے پاک دوست ودشمن کی تفریق سے ناآشنا، قوی اور ضعیف کے امتیاز سے مبرّا، بلکہ مومن اور کافر تک کی تمیز سے بے لاگ تھا۔ اسی حقیقت کی جانب قرآن توجہ دلاتا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے لڑ جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾ (پ:۵)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے (یعنی صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر) گواہ بنو، اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی ازخود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

ان دونوں اصولوں وحدتِ انسانیت، اور بے لاگ عدل کی بنیاد پر اسلام نے اپنی مصلحانہ اجتماعی پالیسی کی عمارت قائم کی

اور انہی کے تحت مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت متعین کی اور انہی کی روشنی میں مسلمانوں اور غیر مسلم قوموں کے مابین اصول روابط وضع کیے اور پھر مسلمانوں اور غیر قوموں کے درمیان جنگ اور صلح کی دونوں حالتوں میں اپنی اس پالیسی کی انتہائی پابندی کی، اور اس سلسلے میں یہاں تک اتنا برتا کہ بین الاقوامی تعلقات کے ان تمام قواعد وضوابط کو تفصیل سے بیان کر دیا جو قومی وجود کے تحفظ اور دنیا میں عدل وانصاف کا پرچار کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

ہم یہاں ان تمام بین الاقوامی ضابطوں میں صرف معاہدات کو دو پہلوؤں سے بیان کریں گے ایک یہ کہ وہ اصول کیا ہیں جنہیں اسلام کسی دوسرے شخص یا گروہ یا قوم سے معاہدہ استوار کرنے کی اساس قرار دیتا ہے اور دوسرے یہ کہ معاہدے کے ایفاء معاہدے کے فسخ کے بارے میں اسلام کی کیا ہدایات ہمیں ملتی ہیں؟

توثیق معاہدے کے بارے میں اسلام کی شرائط:

پہلی شق توثیق معاہدہ کی اساس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نگاہ کا ماحصل یہ ہے کہ (ا) اسلام کسی غیر قوم یا گروہ سے کوئی ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو اسلام کے اساسی اصولوں اور اس کی بنیادی تعلیمات پر اثر انداز ہوتا ہو۔

(ب) اسلام کی نظر میں صحیح اور قابل ایفاء وہی معاہدہ ہے جس کے طے کرنے میں دونوں فریقوں کی آزادانہ رضامندی اور اطمینان قلب شامل ہو۔

(ج) یہ ضروری ہے کہ جو معاہدہ بھی کیا جائے اسے ایک واضح اور غیر مبہم دستاویز کی صورت دی جائے جس میں دونوں فریقوں کے حقوق وفرائض وشرائط اور التزامات کو صاف صاف متعین کر دیا گیا ہو، تا کہ کسی فریق کے لیے غلط تاویل وتعبیر کی گنجائش باقی نہ رہے۔

مذکورہ بالا تینوں اصولوں کے مطالعہ سے یہ بات ازخود واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں ایسا کوئی معاہدہ قابل قبول نہیں ہے، جس میں کوئی ایسا جز پایا جاتا ہو جو بالواسطہ یا بلا واسطہ خود بلاد مسلمین کے اندر اسلام کی بے حرمتی کا باعث ہو، جیسے اللہ کے نازل کردہ قوانین کے خلاف فیصلوں کو جائز قرار دینا، یا غیر مسلموں کو بلاد مسلمین کے اندر ایسے حقوق عطاء کر دینا جو مسلمانوں کے اختیاراتِ حکومت کی نفی کرتے ہوں، اسی طرح اسلام کسی ایسے معاہدے کو بھی سندِ جواز نہیں دیتا، جو تخویف وتہدید، قہر وغلبہ اور حالات کا دباؤ ڈال کر منعقد کیا گیا ہو، اور نہ ہی اسلام کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرتا ہے جو الفاظ کی حد تک تو معاہدہ ہو لیکن یہ الفاظ صرف شاطرانہ فریب کاری کے لیے ہوں ورنہ فی الحقیقت یہ معاہدہ فریق ثانی کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور اس کی دولت وثروت کو ہڑپ کرنے کے لیے بطور حربہ اختیار کیا گیا ہو۔

مذکورہ قواعد کے دلائل:

مذکورہ بالا قواعد وضوابط کا ایک عام ماخذ تو نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ'' كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل '' جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے، لیکن ہمیں اس سلسلے میں قرآن کریم کے واضح نصوص بھی ملتے ہیں مثلا معاہدات کو فریب کاری کا ہتھیار بنانے کی ممانعت میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿ تتخذون ايمانكم دخلا بينكم أن تكون أمة هي أربى من أمة انما يبلوكم الله به﴾ (النحل)

تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکر وفریب کا ہتھیار بناتے ہو تا کہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے حاصل کرے حالانکہ اللہ اس عہد و پیمان کے ذریعے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔﴿ ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا﴾(النحل)

اور اے مسلمانو! تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بنالینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم جمنے کے بعد اکھڑ جائے۔

ان آیات میں قسموں سے مراد وہ حلف ہیں جو توثیق معاہدات کے وقت اٹھائے جاتے ہیں یا وہ قول وقرار ہیں جن کی اطاعت کا عہد ایک دوسرے سے کیا جاتا ہے، اسی طرح لفظ دخل کے معنیٰ فریب کاری، منافقت، جعل سازی، ریشہ دوانی کے ہیں، موجودہ ڈپلومیسی میں جس فریب کاری کو عین دانشمندی اور فتح تصور کیا جاتا ہے، اسلام کی نگاہ میں توثیق معاہدہ کے بعد اس قسم کی فریب کاری سخت ملعون اور قابل مذمت ہے۔

اسلام کے ان اصولِ معاہدات کو آپ ایک جانب رکھیں اور دوسری جانب ان معاہدات کو رکھیں جو دور حاضر میں ترقی یافتہ اقوام کی طرف سے طے کیے جاتے ہیں، ان دونوں کے موازنہ سے یہ بات ایک کھلی حقیقت کی طرح آپ کے سامنے آجائے گی کہ ان اقوام کے معاہدات کمزور قوموں کی حفاظت کے لیے انہیں لقمہ تر بنانے کے لیے ہیں، امن وسلامتی کی پناہ گاہ نہیں بلکہ شر وفساد کا سرچشمہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان معاہدات نے پوری دنیا کو سعادت وفلاح سے بہرہ ور کرنے کے بجائے شقاوت ونکبت کے جہنم میں جھونک رکھا ہے۔

معاہدہ کے ایفاء ونقض کے بارے میں اسلامی احکام:

اسلام اس امر کا پرجوش علمبردار ہے کہ جب کوئی معاہدہ سابقہ اصولوں کی روشنی میں صحت مندانہ طریقے سے طے پاجائے تو جب تک وہ معاہدہ قائم ہے اس کی ہر لحاظ سے ظاہراً وباطناً وفاداری اور پابندی کی جائے اور اس کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کرنے یا کسی تقاضے کو پامال کرنے کی قطعاً اجازت نہ دی جائے، قرآن کریم نے اس بارے میں نہایت صریح اور محکم ہدایت کردی ہے:﴿وأوفوا بالعهد ان العهد كان عنه مسئولا﴾(سورہ بنی اسرائیل) ترجمہ: عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو پوری پوری جواب دہی کرنی ہوگی۔﴿وأوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها﴾(النحل) ترجمہ: اللہ کے عہد کو پورا کرو، جب کہ تم نے کوئی عہد اس سے باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو۔

ان دونوں آیات میں محض اخلاقی ہدایت ہی نہیں دی گئی ہے بلکہ اسلامی حکومت کی داخلی اور خارجی سیاست کی سنگ بنیاد قرار پائی ہے نقضِ معاہدہ کے لیے اسلام نے صرف دو ہی صورتیں قرار دی ہیں۔

(ا) پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو فریق ثانی سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے یا وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غدّاری کر بیٹھے گا۔ اس صورت میں اسلامی حکومت کو یہ اجازت ہے کہ وہ خود اقدام کرکے معاہدے کو فسخ کردے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ صرف اپنی جگہ پر فسخ معاہدہ کا فیصلہ کرکے نہ بیٹھ رہے بلکہ اس اپنے فیصلے سے فریق ثانی کو فوراً مطلع کردے، سورۃ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اسی صورتِ حال کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے:﴿واما

تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین﴾۔(انفال) ترجمہ: اور تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خدشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ معاہدہ کسی خاص حالت کے تحت پہلے طے کیا گیا ہو، بعد میں وہ حالات بدل گئے ہوں اور اب اسلامی حکومت کے اربابِ حل وعقد کی رائے میں اس معاہدہ کا قائم وبحال رہنا قوم کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کے ذریعہ سے جو تحفظات اور منافع حاصل ہو رہے ہوں اُن سے بدرجہاز زیادہ اس سے مفاسد اور مضرّات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ وہ معاہدہ کو فسخ کردے اور اس کی اطلاع معاہد قوم تک پہنچادے۔ ذیل کی آیت سے اس امر کی رہنمائی ملتی ہے۔

﴿وأذان من الله ورسوله إلی الناس یوم الحج الأکبر ان الله برئ من المشرکین ورسوله﴾ (التوبہ)

اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی، معاہدات کی منسوخی کا یہ اعلان عام نبی کریم ﷺ کی جانب سے ان تمام قبائل کے خلاف کیا گیا جو عہد و پیمان کے باوجود ہمیشہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور موقع پاتے ہی پاس عہد کو بالائے طاق رکھ کر دشمنی پر اتر آتے تھے۔

البتہ دوسری صورت میں اس امر کا لحاظ کیا جاسکتا ہے کہ اگر معاہدہ مدّتِ معیّنہ کے ساتھ مقیّد ہو تو مدّت پوری ہونے تک اس کی پابندی کی جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إلا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقضوکم شیئا ولم یظاهروا علیکم أحدا فأتموا إلیهم عهدهم إلیٰ مدّتهم﴾ (التوبہ) بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کئے پھر انہوں نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں اور نہ تمہارے خلاف کسی کی امداد کی، تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدّت معاہدہ تک وفا کرو۔

یہ استثناء اسی مذکورۂ بالا اطلاع عام سے ہے اور اسے جس شرط سے مشروط کیا گیا ہے کہ معاہد قوم نے مسلمانوں کے خلاف کھلّم کھلاّ کارروائی نہ کی ہو۔ بلکہ عہد کا پاس رکھا ہو۔ لیکن مجموعی طور پر مسلمانوں کو ان کے ساتھ بقائے معاہدہ میں فائدے سے زیادہ نقصان ہو۔ اس لیے معاہدہ کو درمیان میں منسوخ کردینے کے بجائے اختتامِ مدّت کا انتظار کیا جائے۔

معاہدات کے عقد و فسخ کے بارے میں اسلام کی یہ پالیسی اور اصول وضوابط بین الاقوامی خیر سگالی اور امن وسلامتی کی فضا قائم رکھنے کی جو خوبیاں اپنے اندر مضمر رکھتے ہیں وہ کسی مصف مزاج شخص سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر مغربی تہذیب کے شیدائی ان اصول وضوابط کا مطالعہ کریں اور اپنی پالیسیوں کو ان کے مطابق ڈھالیں تو بلاشبہ حرص وہوا کے ہلاک خیز طوفان اور ظلم و جور اور مکروفریب سے بھرپور ڈپلومیسیوں کی وجہ سے دنیائے انسانیت پر جو پے در پے نکبت وہلاکت کے دورے پڑ رہے ہیں ان سے دنیا کو نجات مل سکتی ہے اور ہر قوم اپنے طبعی حقوق سے متمتع ہونے کا موقع پاسکتی ہے بلکہ اس سے خود علمبرداران تہذیب جدید کے عادی امن وفلاح بھی خلق خدا کی نگاہ میں اطمینان ویقین کا باعث ہوسکتے ہیں۔

(ماخوذ از ماہنامہ ''الاسلام'' دہلی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۱ء)

☆☆☆

گناہوں اور شرعی احکام کی خلاف ورزی پر تنبیہ امت پر فسق وفجور کا الزام عائد کرنا نہیں....

تحریر: الشیخ صالح بن حمید ترجمہ: راشد حسن فضل حق مبارکپوری/متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

ابھی ماضی قریب ہی میں بہت سارے دیار ومقامات میں قحط سالی آئی، اور ایک لمبے عرصے تک وہاں فقر ومحتاجگی، تنگ دستی ومفلوک الحالی کی کیفیت طاری رہی، اس وقت لوگوں کا ایمان ویقین اپنے رب پر قوی اور رشتۂ عبودیت مضبوط تھا، پھر اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا، کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی جگہ امن وشانتی، فقر ومحتاجگی کی جگہ مالداری وخوشحالی، انتشار وافتراق کی جگہ اتحاد، اخوت اور یگانگت رکھی دی، فلله الحمد والمنة

ہاں بعض متاخرین میں کچھ ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے، اور کچھ ایسے گروہ وجود پذیر ہوئے، کہ جب ان پر نعمتوں اور نوازشات کی کثرت ہوئی، خوشحالی وکشادگی کا دور دورہ ہوا، تو وہ غفلت ومدہوشی کے شکار ہوگئے، اور نعمتوں کی نسبت غیر منعم حقیقی کی طرف کرنا شروع کی، اور اپنے محسن کو بھلا بیٹھے، اور اللہ کے اس قول کو حوالۂ طاق نسیان کردیا۔ ﴿ثم بدلنا مكان السيئة الحسنة حتى عفوا وقالوا قدمس آباء نا الضرّاء والسرّاء﴾ [1]

ان لوگوں میں سے بعض ایسے تھے، جن کی دنیا ان کے دین کے بقدر تھی، اور بعض کا حال یہ تھا؛ کہ وہ خواہشات نفسانی کی اتباع وپیروی کرتے تھے، حلال وحرام کی ان کے یہاں کوئی تفریق وتمیز نہ تھی، چھوٹے چھوٹے بہانے ڈھونڈ کر لوگوں کے مال ومتاع اپنے لیے حلال قرار دیئے، کچھ افراد تو ایسے تھے، جنھوں نے کمزور وضعیف عوام کا استحصال کرکے ترقی کی، اسی کے ساتھ کائنات میں پائی جانے والی اللہ کی نشانیاں، قوانین قدرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی تنبیہات ''جن کا مقصد عبرت وموعظت ونصیحت حاصل کرنا تھا'' سے بے توجہی وغفلت برتی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت آئی ہے کہ جب تیز آندھی چلتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

'' اللهم إنى أسألك خيرها وخيرما فيها وخير ما أُرسِلت به، وأعوذبك من شرها وشر ما فيها وشر ما أرسلت به'' [2]

ترجمہ: یا اللہ میں تجھ سے اس ہوا میں خیر کے پہلو کا خواستگار ہوں، اور جو اس کے اندر ہے، اس کی بھلائی، اور جو اس میں بھیجا گیا ہے، اس کی بہتری اور پناہ مانگتا ہوں، اس کی برائی سے، اور جو اس کے اندر ہے اس کی برائی سے اور جو اس کے

[1] الاعراف: ۹۵

[2] والحدیث أخرجہ مسلم ح: ۸۹۹، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب التعوذ عند رویۃ الریح والغیم.....

ساتھ بھیجا گیا ہے، اس کی برائی سے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ جب آسمان پر بدلی اور بجلی کڑکتی تو آپ کا رنگ بدل جاتا، باہر نکلتے، اندر آتے، اور آگے آتے، پیچھے جاتے، پھر اگر مینہ برسنے لگتا، تو آپ ﷺ کی گھبراہٹ جاتی رہتی۔

الغرض اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہچانا، اور آپ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے عائشہؓ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو جیسے عاد کی قوم نے دیکھ کر کہا کہ بدلی ہے، جوان کے آگے آئی ہے، کہنے لگے، کہ یہ بدلی ہم پر برسنے والی ہے۔﴿فلما رأوه عارضا مستقبل أوديتهم، قالوا هذا عارض ممطرنا، بل هو ما استعجلتم به ريح فيها عذاب أليم﴾ ۱

اگر آپ چاہیں تو اس آیت کی تلاوت کریں﴿وما نرسل بالأيات إلا تخويفا﴾ ۲ ترجمہ: ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لئے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔

اس آیت میں یا دیگر آیات میں بندوں کو جو خوف دلانے، ڈرانے اور دھمکانے کا ذکر آتا ہے، وہ صرف ان لوگوں کے لئے خاص نہیں، جو تباہ کن، ہلاکت خیز اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، دن کے اجالے ورات کی تاریکی میں معصیت کرتے ہیں، بلکہ یہ ہر مسلمان وصاحب ایمان شخص کے لئے عام ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا معاشرہ، آپ ﷺ کے پیارے اصحاب کا معاشرہ سب سے افضل اور صالح معاشرہ تھا، بایں ہمہ سورج گرہن، چاند گرہن، آندھی وطوفان اور کائنات میں ہونی والی تبدیلیوں سے آپ ﷺ کا خوف زدہ، مضطرب و بے چین ہونے کا مطلب کیا یہ تھا، کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام پر بدعملی کا الزام دے رہے تھے.....؟ ان کے بارے میں کیا آپ ﷺ نے بگاڑ کا فیصلہ فرمادیا تھا،؟......آپ کا یہ فریضہ ہے، کہ اپنے نبی ﷺ کی فقہ وطریقہ کی پاسداری کریں، اور فرعونی نقوش راہ سے احتراز و پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فاتبعهم فرعون بجنوده فغشيهم من اليم ما غشيهم، وأضل فرعون قومه وما هدى﴾ ۳

ترجمہ: فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا، پھر تو دریا ان سب پر چھا گیا، جیسا کچھ چھا جانے والا تھا، فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا، اور سیدھا راستہ نہ دکھلایا۔

اور فرعونی روش کے مماثل ومشابہ روش سے بھی بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا....﴿إن الذين حقت عليهم كلمت ربك لا يؤمنون و لوجاء تهم كل آية حتى يروا العذاب الأليم﴾ ۴ ترجمہ: یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ ﷺ کے رب کی بات ثابت ہوچکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اور قوم یونس علیہ السلام پر بھی یہ حقیقت واشگاف نہ ہوسکی، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿ إلا قوم

۱ الأحقاف:۲۴ ۲ الإسراء:۵۹
۳ طہٰ:۷۸-۷۹ ۴ یونس:۹۶-۹۷

یونس لما آمنوا کشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیاۃ الدنیا و متعنا هم إلی حین﴾[۱] ترجمہ: سوائے قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے، تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر ٹال دیا، اور ان کو ایک خاص وقت تک کے لئے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا ''موقع'' دیا۔

آج سخت ضرورت ہے اللہ تعالیٰ سے خوف وخشیت اور تقویٰ شعاری کی، اس کی طرف انابت وتضرع، توبہ واستغفار، عبرت ونصیحت لینے کی، اور خصوصاً اس قدر مزید عاجزی وانکساری پیدا ہونی چاہئے، جب کہ انسانوں میں غفلت وسستی، گناہ و معصیت فواحش ومنکرات کا ظہور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام واکرام کا دھانہ کھلا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وما أصابکم من مصیبة فبما کسبت أیدیکم ویعفوا عن کثیر﴾[۲]

ترجمہ: تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہونچتی ہیں، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے، اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگذر فرمادیتا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے ﴿ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت أیدي الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون﴾ [۳]

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لئے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھادے، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے، کسی قوم کو معاصی سے تحذیر مخالف شرع چیزوں سے انذار اگر وارد ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہئے، کہ اس امت کے فاسق وفاجر ہونے کی وجہ سے ایسا ہے، اور نہ ہی کسی قوم کو قطعیت کے ساتھ یہ الزام دیا جاسکتا ہے، کہ وہ گناہوں ومعصیتوں میں ملوث ہے، سلف صالحین کے عہد سعید میں بھی بہت سارے مصائب ومشکلات آئے، خیر القرون میں بہت سارے حادثات وواقعات رونما ہوئے، بھوک مری وقحط سالی بھی آئی، صحابہ کرام کے دور مبارک میں طاعون جیسی خطرناک بیماری بھی پھیلی، اور اس وقت صحابہ کی جماعت میں انصار ومہاجرین، اصحاب بدر اور اجلۂ صحابہ بھی موجود تھے، اس لئے ان حادثات کو گناہوں کا سبب قرار دینا صحیح نہیں۔

جب مسلمان اور ان کے ملک ابتلاءات وآزمائشوں سے دوچار ہوں، تو مناسب طریقہ یہ ہے، کہ اس وقت خشیت و تقویٰ، عاجزی وانکساری پیدا کی جائے، اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کیا جائے، اور ہاں اہل علم کے یہاں یہ بات مسلم ہے، کہ ہر آزمائش کو عقاب وسزا، ہر آفت ومصیبت کو عذاب وسزا قرار دینا بالقطع درست نہیں، بلکہ آفات ناگہانی، حادثات و پریشانی کا نزول تین مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔

پہلا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمانا وامتحان لینا چاہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ مصائب کے نزول سے لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں، اور خطائیں ولغزشیں معاف ہوجاتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ مشکلات میں بندے کے پیمانۂ تسلیم ورضا کو دیکھنا

[۱] یونس: ۹۸ [۲] الشوریٰ: ۳۰ [۳] الروم: ۴۱

چاہتا ہے، اور یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ بندے کے مقدر میں مصیبت لکھ دی گئی ہے، اس پُر الم تقدیر پر اس کا ایمان کیسا ہے؟ یا ہے یا نہیں.....؟

اور مومن مرد وزن ہمیشہ و برابر آزمائشوں میں گھرے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتے ہیں، اور آزمائشوں کے برداشت کرنے کی وجہ سے ان کے جسم پر گناہ وخطاء کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا، سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، ایک صاحبِ ایمان کو جتنا بھی غم واندوہ، مشقت و پریشانی، آفت ومصیبت پہونچتی ہے، حتی کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمادیتا ہے، اس سلسلے میں بہت ساری حدیثیں نبی ﷺ سے وارد ہیں، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ان مصیبتوں اور آزمائشوں کی وجہ سے آخرت کا عذاب بھی ٹل جاتا ہے، اور کبھی دنیا وآخرت میں بھلائی وتزکیۂ نفس کا سبب بن جاتا ہے۔

عزیزان مکرم! اسلامی اصول وضوابط کی رو سے یہ بات واضح ہونے کے باوجود بھی یہ معلوم رہے کہ آفات وحادثات، نشانیاں وآزمائشیں، مصائب ومشکلات انسانوں کی اپنی کوتاہیوں، بداعمالیوں، خطاؤں اور گناہوں کا نتیجہ اوران کے فسق وفجور کا انجام ہوا کرتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

’’ يا أمة محمد، والله ما من أحد أ غير من الله أن يزني عبده أو أن تزني أمته ‘‘ یعنی اے امت محمدیہ! اللہ تعالیٰ سے زیادہ کائنات میں کوئی غیرت مند نہیں، کہ اس کا بندہ یا باندی بدکاری کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں صالحین کی ایک جماعت موجود ہوگی، اس کے باوجود ہم تباہ وبرباد کردیئے جائیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے جواب میں فرمایا: نعم إذا كثر الخبث ‘‘ ہاں...جب برائی وبدعملی عام ہوجائے گی۔ [۱]

ایک جگہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’ إن العبد ليحرم الرزق بالذنب يصيبه ‘‘ [۲] یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے انسان روزی سے محروم کردیا جاتا ہے، دنیا کا کوئی بھی شخص اللہ کے حضور گناہوں، مصیبتوں اور خطاؤں سے پاک ومبرّ انہیں، ہر انسان خطا کار ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سارے لوگ اب گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے، بس جو بڑے اور عام گناہ ہیں حیاء سوز افعال وتصرفات، فطری وطبعی حادثات وزلزے وطوفان وغیرہ کو گناہ اور اس کے نتائج سمجھتے ہیں۔

لیکن حقوق ونافرمانی، قطع رحمی، بغض وحسد، نمود وریا کاری، دھوکے بازی وعیاری، گھمنڈ وتکبر، عورتوں کو تنگ وپریشان کرنا، غیبت وچغل خوری، یتیموں کا مال غصب کرنا، کمزوروں کے حقوق ہڑپ لینا، اوران کے حقوق سے کھلواڑ کرنا، انواع و

---

[۱] رواہ البخاری ومسلم

[۲] والحدیث أخرجہ الامام أحمد بسند حسن۔

اقسام کی ظلم وتعدی، چھوٹے بڑے معاملات وامور میں حد سے گذر جانا، اور مزید ان کے لئے استغفار ومعافی کی جستجو نہ کرنا، بلکہ اس پر اصرار بھی کرتے رہنا، یہ اوران جیسے خطرناک معاصی سے لوگ بالکل غافل وبے پرواہو چکے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے، کہ لوگ ہمیشہ یہ سب کرتے رہتے ہیں، اس لئے گناہ کا احساس بھی ختم ہوگیا، اس طرح یہ غافل اور کوتاہ عمل لوگ اپنی کوتاہی کے نتائج یعنی جنگیں، امراض، ظالموں کا تسلط، ذلت ورسوائی، بے بسی، قحط سالی اور اقتصادی بحران کے علاوہ دوسرے بہت سے اثرات پر نگاہ عبرت نہیں ڈالتے، جو بالکل عیاں وبیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا....

﴿ قل هوالقادر على أن يبعث عليكم عذابا من فوقكم أو من تحت أرجلكم أو يلبسكم شيعاً ويذيق بعضكم بأس بعض انظر كيف نصرف الآيات لعلهم يفقهون﴾ [۱]

ترجمہ: آپ ﷺ کہئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے، یا تمہارے پاؤں تلے سے، یا کہ تم کو گروہ گروہ کرکے سب کو بھڑادے، اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھادے، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں۔ کیا ہمارے نبی ﷺ نے نہیں فرمایا.....

’’ إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم بأذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلّط الله عليكم ذلا لا ينزعه عنكم حتى ترجعوا إلى دينكم ‘‘ [۲]

ترجمہ: جب تم ’’بیع عینہ‘‘ کرنے لگوگے، گائیں کی دمیں پکڑوگے، کھیتی وزراعت پر قناعت کرلوگے، اور جہاد کو چھوڑ دوگے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت ورسوائی ومسکنت مسلط کردے گا، تم کو اس وقت تک چھٹکارا نہیں مل سکے گا، جب تک کی تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔

گناہوں اور معصیتوں کے یہ نوع بہ نوع آثار وعلامات ہیں، جن کا شمار ممکن نہیں، ہم اللہ کے دردناک عذاب سے پناہ چاہتے ہیں، اور سخت عقاب سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان سب کو کسی جماعت یا گروہ سے خاص نہیں کیا جاسکتا، بلکہ بہت سے لوگ ان سب چیزوں سے غافل وبے پرواہیں، انہیں ان پر تنبیہ نہیں ہوتا، اس تفصیل سے کہ یہ مصیبتیں ان پر آتی ہیں، جن کا کوئی جرم نہیں ہوتا، یا جن سے گناہیں سرزد نہیں ہوتیں، یہ وہم دور ہوگیا، بعض فاسق وسخت دل یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ کھلم کھلا فسق وفجور میں مبتلا ہیں لیکن ان پر یہ تکلیف ومصائب نہیں آتے، ’’اللہ اکبر‘‘ یہ بہت خطرناک جرأت ہے، ان لوگوں کو درج ذیل امور پر غور کرنا چاہئے۔

یہ درحقیقت تقدیر اور اللہ کی حکمت پر اعتراض ہے، اللہ کی ذات ایسی ہے، کہ اس سے کچھ نہ پوچھا جائیگا، جو وہ کرتا ہے، مزید برآں مصائب ومشکلات کسی بھی قوم وملت پر نازل ہوسکتے ہیں، کسی بھی جگہ یا مقام پر آسکتے ہیں، اس کے انتخاب میں اللہ

---

[۱] الانعام:۶۵

[۲] الحدیث أخرجہ ابوداؤد وغیرہ

تعالیٰ کی عظیم حکمتیں پنہاں ہیں۔
ایک حکمت یہ بھی ہے کہ سزائیں، بدلے وغیرہ کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کو ڈھیل دے دی ہے، اور دل زنگ آلود اور قلوب سخت ہوگئے ہیں، "لاحول ولا قوۃ إلا باللہ" ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حادثات وسانحات کا سبب گناہ تو ہو سکتے ہیں، لیکن اصل سبب یہی قرار دینا فی نفسہ صحیح نہیں، اللہ کی حکمت وتقدیر یہ ہے کہ ہر گنہ گار وسیہ کار کے اوپر عذاب وعقاب نازل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے اطاعت شعار وصاحب استقامت بندوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہوتی رہتی ہے، کسی چیز میں تنہا اسباب ہی موثر نہیں، بلکہ اسباب کے ساتھ کچھ ایسے ظروف وحالات ہوا کرتے ہیں، جن کی وجہ سے باذن اللہ اشیاء میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، جب کہ بسا اوقات یہ محرکات وعوامل نہیں پائے جاتے، جس کی وجہ سے تاثیر مفقود ہوتی ہے، یہ سب اللہ کی مشیت پر مبنی ہے۔
بایں ہمہ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حادثات وسانحات اور مظاہر کائنات کے وقوع پذیر ہونے میں ظاہری اسباب اور ان کی سائنسی تشریحات ہیں، لیکن ہمیں ان سے سخت اجتناب کرنا چاہئے، کہ جس سے عبرت ونصیحت کا دروازہ بند ہو، اور غفلت کے پردے دبیز ہوتے جائیں، اور تنبیہ وعبرت سے مانع ہوں، لہذا اسباب کے ماوراء ان اسباب کا خالق، سبب اور اس کا حاکم اللہ جل جلالہ ہے، جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کے اسباب فراہم کرتا ہے، پھر اگر چاہتا ہے، تو اس پر ان کے آثار ونتائج مرتب کرتا ہے۔
بلا شبہ ایک مومن جب ان ارضی وسماوی حادثات وکوارث ومتغیرات کائنات کو دیکھتا ہے، تو ایمان ویقین، توحید وعبادت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس نگاہ میں قضاء وقدر پر تسلیم ورضا بھی ہوتی ہے، اور اسباب ونتائج پر نظر بھی، ہر چیز اللہ کی مشیت وارادہ سے انجام پاتی ہے، اس کا مقصد بندوں کو مصائب ومشکلات میں گرفتار کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی سنت وطریقہ ہے، جس پر بھی چاہتا ہے، بھیجتا ہے، اس سلسلے میں بندے کو تسلم ورضا اور صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، اور تقدیر کا تقدیر سے مقابلہ کرنا چاہئے، یہ بدخلقی، غفلت کی واعظین، ناصحین اور علماء پر قسم قسم کی ردوقدح کی جائے، یا ان کے ارادوں میں شک وشبہ پیدا کیا جائے، اس سے بھی زیادہ سخت اور افسوسناک یہ کہ تقریر یا وعظ کو انتہا پسندانہ افکار کی ترویج کا ذریعہ قرار دیا جائے، غفلت، سنگ دلی، قساوت قلبی اور نا اتفاقی کی انتہا یہ ہے کہ اللہ یاد دلانے، اس کی آیات وتنبیہات سے خبردار کرنے کو دین کا غلط استعمال اور نصوص شرعیہ کا استحصال قرار دیا جائے، ....

☆☆☆

مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس کا سالانہ اجلاس

مورخہ ۲۳رشوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۳/اکتوبر ۲۰۱۰ء اتوار کے روز مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس کی سالانہ نشست کا انعقاد عمل میں آیا، یہ نشست جامعہ کے میٹنگ ہال میں منعقد کی گئی تھی، نائب صدر وقائم مقام صدر مولانا شاہد جنید صاحب سلفی نے نشست کی صدارت فرمائی، ان کی اجازت سے محترم ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے حمد وصلاۃ سے نشست کا باقاعدہ آغاز کیا، حاضرین کی خدمت میں خیر مقدمی کلمات اور ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہوئے محترم ناظم اعلی صاحب نے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ صدر جامعہ سلفیہ کی طویل اور بے لوث خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی۔ جماعت کی کچھ دیگر برگزیدہ ہستیوں کی دینی وملی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے حق میں مغفرت کی دعاء کی گئی۔ اس کے بعد نشست مذکور کے لیے جو ایجنڈہ مرتب کیا گیا تھا، ان پر یکے بعد دیگرے تفصیل سے گفتگو ہوئی، جس کی مختصر روداد مندرجہ ذیل ہے:

ایجنڈا نمبر۱: پچھلی نشست کی کارروائی کی خواندگی اور اس کی توثیق:

محترم ناظم اعلی صاحب کے ذریعہ پچھلی کارروائی کی تفصیل پیش کی گئی اور شرکاء کی طرف سے بالاتفاق اس کی توثیق کی گئی۔

ایجنڈا نمبر۲: جامعہ کے مختلف شعبوں اور اس کے ماتحت اداروں کی کارکردگی کا جائزہ۔

(الف) اس ایجنڈا کے تحت محترم شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی نے تحریری طور پر تفصیلی رپورٹ پیش کی، تعلیمی معیار کی بلندی کے لئے محترم ناظم اعلی وذمہ داران صاحبان کی نگرانی میں جو پیش رفت ہوئی اس سے آگاہ کیا، ماہ شوال کے بجائے ماہ جولائی سے جامعہ کے اندر آغاز تعلیم کے مقاصد اور فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف شعبہ ہائے تعلیم میں زیر تعلیم طلبہ وفارغین کی تعداد بیان کی، جامعہ کے تحت چلنے والی مختلف تعلیمی اکائیوں مثلاً ملحق مدارس، ندوۃ الطلبہ، مضامین نویسی وغیرہ دیگر اہم سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور دعاؤں پر خاتمہ ہوا۔

بعد میں بحث ومباحثہ کے دوران اس بات کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا کہ تفصیلی رپورٹ پیش کرنے میں کوئی گوشہ خالی نہ رکھا جائے، ملحق مدارس کے اساتذہ کی تدریب کے لیے جامعہ میں ہونے والے پروگرام کی کامیابی اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے محترم ناظم اعلی صاحب نے اس بات کا اعادہ کیا کہ مستقبل میں بھی اس طرح کے پروگرام ان شاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

انہوں نے جامعہ میں تعلیمی معیار کی بلندی پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس کے لیے کچھ خارجی شہادتیں پیش کرتے ہوئے معیار میں مزید بہتری لانے پر زور دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔

(ب) ادارۃ البحوث کی تفصیلی رپورٹ تحریری شکل میں محترم مولانا اسعد اعظمی صاحب نے پیش کی، رپورٹ میں انہوں نے طبع شدہ کتابوں کی تعداد کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا مختصر تعارف پیش کیا، اور مندرجہ ذیل امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی:

۱- زیر تصنیف اور زیر تصحیح کتابیں اور ان کی تعداد۔

۲- شعبۂ افتاء کی کارکردگی اور اب تک جاری کئے گئے فتووں کی تفصیل۔

۳- شعبۂ دعوت وتبلیغ کی کارکردگی۔

۴- شعبۂ صحافت کی تفصیل۔

بحث ومباحثہ کے دوران اس بات کی ضرورت پر زور دیا گیا کہ ہندی اور انگریزی زبان میں بھی شعبۂ صحافت کی حصہ داری فائدہ سے خالی نہیں ہے، مولانا رئیس احمد ندوی اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہما اللہ پر جامعہ کی طرف سے محدث کے خصوصی نمبر کی اشاعت پر بھی زور دیا گیا۔

ایجنڈا نمبر۳: جامعہ میں تعمیری پیش رفت کا جائزہ:

اس ایجنڈا کے تحت محترم ناظم اعلی صاحب کے ذریعہ جامعہ میں ہونے والے تعمیری واصلاحی کاموں کی تفصیل پیش کی گئی، انہوں نے بتایا کہ مرکزی لائبریری کا توسیعی کام لگ بھگ ۹۰٪ مکمل ہو چکا ہے، مسجد کے نیچے واقع تہہ خانے کی اصلاح تقریبا ۸۰٪ تک ہو چکی ہے، اور اس سلسلے میں اخراجات اندازہ سے زیادہ ہو چکے ہیں، بیلنس نامی قدیم اور بوسیدہ عمارت کی تعمیر جدید کے مقصد اور فوائد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے آگاہ کیا کہ وہاں بھی تعمیر جدید کا کام شروع ہو چکا ہے۔

ایجنڈا نمبر۴: اجلاس عام کے انعقاد پر غور:

محترم ناظم اعلی صاحب نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جامعہ میں سالانہ عظیم اجلاس ہونا چاہئے جس میں کسی زندہ عنوان پر علماء کرام کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائے، بالاتفاق اس طرح کے اجلاس کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا اور مندرجہ ذیل باتیں منظور کی گئیں:

۱- اجلاس عالمی معیار کا ہو۔

۲- کم از کم آٹھ مہینے پہلے سے تیاری شروع کردی جائے۔

۳- ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل ضروری ہے، جس کی ذمہ داری ناظم اعلی صاحب کو سونپی گئی۔

۴- اجلاس کے انعقاد کے لیے اکتوبر ۲۰۱۱ء کو بالاتفاق مناسب قرار دیا گیا۔

ایجنڈا نمبر۵: مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ کے صدر کا انتخاب:

محترم ناظم اعلی صاحب نے نئے انتخاب کی ضرورت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور قائم مقام صدر کی حیثیت سے نائب صدر

مولانا شاہد جنید صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان ہی سے یہ عظیم عہدہ قبول کئے جانے کی درخواست کی۔ واضح ہو کہ صدر جامعہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کے انتقال کی وجہ سے یہ عہدہ خالی چلا آرہا تھا، اور محترم نائب صدر صاحب بطور قائم مقام صدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ لیکن موصوف نے اپنی مجبوریوں کے پیش نظر اظہار معذرت کیا اور صدارت کے لئے ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب کا نام پیش کیا جس کی تمام حاضرین کی طرف سے مکمل تائید کی گئی، اسی موقع پر انجمن جامعہ رحمانیہ کے نمائندہ ممبر برائے جامعہ سلفیہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کے انتقال کی وجہ سے ان کی جگہ پر حامد حلمی ولد حاجی محمد یونس صاحب کو بالاتفاق منتخب کیا گیا۔

ایجنڈا نمبر ۶: سال گذشتہ کے آمد وخرچ کا جائزہ اور بجٹ کی منظوری:

ناظم اعلی صاحب نے اعداد وشمار کی روشنی میں آمد وخرچ کی تفصیل پیش کی، انہوں نے تمام اصحاب خیر کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور ان کے حق میں دعاء خیر کی، بنارس، بھدوہی، مئو، ممبئی اور پونہ کے مخیّرین اور ان کے تعاون کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔ جامعہ کے آمد وخرچ کے سلسلے میں پھیلنے والی بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے انہوں نے متاثرین کو جامعہ اور اس کے شعبہ جات کے مشاہدہ کی دعوت دی اور تمام شرکاء نشست سے آمدنی کے لئے جد وجہد کرنے کی درخواست کی۔ آخر میں آئندہ سال کے بجٹ کا تخمینہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے اساتذہ کرام کی تنخواہوں میں مناسب اور معیاری اضافہ کی ضرورت پر زور دیا۔ محترم ناظم صاحب کی طرف سے پیش کئے گئے آمد وخرچ کے تخمینہ پر تمام شرکاء کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

ایجنڈا نمبر ۷: دیگر امور باجازت صدر:

ملکی حالات کے پیش نظر اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ جامعہ کی طرف سے مناسب مواقع پر اس طرح کے بیانات منظر عام پر آنے چاہئیں جن سے جماعت وجامعہ اور ملت کے سلسلے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، میڈیا سے ایک معقول حد تک قربت بھی وقت کا تقاضا ہے، محترم ناظم اعلی صاحب نے اس سلسلے میں جامعہ کی طرف سے ہونے والی بعض کارروائیوں کا ذکر فرمایا اور اس نکتہ پر مزید گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

آخر میں صدر نشست کے ذریعہ تمام شرکاء کی خدمت میں کلمۂ تشکر پیش کیا گیا اور نشست کے خاتمہ کا اعلان ہوا۔

مرتب: عبدالکبیر عبدالقوی مبارکپوری

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں دوبارہ آغاز تعلیم:

تعطیل عید قرباں کے بعد دوبارہ تعلیم کا آغاز ۲۳ر نومبر ۲۰۱۰ء بروز منگل ہوا، تقریبا تمام اساتذہ کرام وقت مقرر پر تشریف لائے، البتہ طلبہ کی حاضری پہلے روز کم رہی، مگر دوسرے اور تیسرے روز ان کی حاضری بھی تقریبا پوری ہوگئی۔

عید قرباں پر جامعہ میں طلبہ کا قیام:

تعطیل عید قرباں کے دوران جامعہ میں ملک کے دور دراز علاقوں کے تقریبا ۲ ر درجن طلبہ مقیم رہے، چند اسٹاف بھی موجود رہے، ان کے لیے قربانی کے جانوروں کا انتظام کیا گیا اور جامعہ کے مطبخ میں عمدہ ولذیذ کھانے بنائے گئے۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس میں ششماہی امتحان:

جامعہ سلفیہ بنارس میں سال ۲۰۱۰-۲۰۱۱ کا ششماہی امتحان بتاریخ ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۱ر محرم ۱۴۳۲ھ بروز سنیچر سے شروع ہوکر ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۲۳ محرم ۱۴۳۲ھ بروز جمعرات ختم ہوگا، ان شاء اللہ۔

نیز امتحان کی تیاری کے لیے ۱۴ر دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۷ر محرم ۱۴۳۲ھ سے ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۰ر محرم ۱۴۳۲ھ بروز جمعہ تک اسباق بند رہیں گے۔

ناظم اعلی جامعہ سلفیہ حفظہ اللہ کی سفر حج سے واپسی:

ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ جو اپنی اہلیہ اور صاحبزادے حسن عبداللہ کے ساتھ سفر حج پر تشریف لے گئے تھے الحمد للہ بصحت وعافیت ۲۰ر نومبر ۲۰۱۰ء بروز سنیچر بنارس واپس لوٹے، آپ کی فلائٹ اپنے وقت محدود سے چند گھنٹوں کی تاخیر سے لال بہادر شاستری ایرپورٹ بابت پور (بنارس) پہنچی، آپ کے استقبال کے لیے اہل خانہ اور متعلقین کا ایک جم غفیر ایرپورٹ پر موجود تھا۔

☆☆☆

ندوۃ الطلبہ کی سرگرمیاں

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کے سال رواں کی سرگرمیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) مورخہ ۱۶/شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۶/ستمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار فضیلت اول کی درسگاہ میں صدر ندوۃ الطلبہ ثروان نعیم نعیم اختر ف۳ کے زیر صدارت ''ندوۃ الطلبہ'' کی دوسری میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں مندرجہ ذیل ایجنڈے زیر بحث آئے:

ایجنڈے: (۱) سالانہ بجٹ کی منظوری (۲) عربی، اردو تحریری وتقریری مسابقے کے لیے موضوعات کا انتخاب (۳) سالانہ مجلّہ ''المنار'' کے لیے عناوین کا انتخاب (۴) دیگر اہم امور پر تبادلۂ خیال۔

(۲) مورخہ ۲/۱۱/۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱/۱۰/۲۰۱۰ء بروز سوموار نئے تعلیمی سال کا حائطیہ ''المنار'' عربی کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، نیز مورخہ ۲۱/۱۱/۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰/۱۰/۲۰۱۰ء بروز سنیچر حائطیہ ''المنار'' اردو کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔

(۳) ندوۃ الطلبہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سال رواں کے انعامی مسابقے کے لیے جن عناوین کا انتخاب زیر اشراف فضیلۃ الشیخ عبدالسلام المدنی رحفظہ اللہ وتولاہ عمل میں آیا ان کی تفصیل یہ ہے:

درجہ	عناوین برائے تحریری مسابقہ	نوعیت	عناوین برائے تقریری مسابقہ	نوعیت
فضیلت ۱،۲،۳	جهود المحدثين في خدمة السنة النبوية في القرن الثالث	عربی	التحديات التي لقيها علماء الهند في سبيل الدعوة	عربی
,,	اسلام کا نظام افتاء قرآن وحدیث کی روشنی میں	اردو	نظام اسلام بقاء امن وصالحیت کا ضامن	اردو
عالم ثانی	أحسن الأقوال في تربية الأطفال	عربی	الحدود وحكمها في ضوء الكتاب والسنة	عربی
,,	''شرع من قبلنا'' کی حجیت ایک اصولی جائزہ	اردو	عزت نفس اور خودداری	اردو
عالم اول	مكانة الأخلاق الفاضلة في الإسلام	عربی	كيف نقوم بالدعوة إلى الله	عربی
,,	قرآن کریم کے حقوق اور اس کے فضائل	اردو	''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' کا مفہوم	اردو

اللہ تعالیٰ تمام اراکین ندوہ کو نیک نیتی اور خلوص قلب کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ناظم ندوۃ الطلبہ

جامعہ سلفیہ، بنارس

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

ممبئی میں خانۂ کعبہ کے امام شیخ سعود الشریم کا بیان

ممبئی کے سومیہ گراؤنڈ میں منعقدہ دس روزہ اسلامی کانفرنس میں امام حرم شیخ سعود الشریم نے نہایت ہی واضح الفاظ میں کہا کہ ''تمام مذاہب میں تفریق ضرور ہے، لیکن اس کے باوجود ہم انسانیت کے تحفظ کے خواہاں ہیں، کیونکہ انسانیت کے فروغ کی دعوت دینا ہی اسلام کا پیغام ہے، اسلحہ جات کا امن وسلامتی کے قیام میں کوئی رول نہیں ہے، بلکہ یہ انسانیت کے لئے خطرہ ہے، رحم دلی اور اخوت سے امن قائم کیا جا سکتا ہے، اسلحہ جات سے نہیں، انہوں نے مزید فرمایا کہ اسلام نے ہمیشہ سے ہی اخوت ومحبت و بھائی چارگی کی تعلیم دی ہے، لیکن مغربی ذرائع ابلاغ اسے توڑ مروڑ کر پیش کر رہا ہے، ان غلط پروپیگنڈوں سے اسلامی شبیہ کو نقصان تو ضرور ہے، لیکن اس سے اسلام ہرگز خطرے میں نہیں ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ یکم نومبر ص:۹)

سیاسی مقاصد کے لئے ''وہابیت'' کی اصطلاح کو غلط رنگ دیا گیا

سعودی عرب کے ممتاز علماء اور ماہرین تعلیم کی متفقہ رائے ہے کہ مملکت کے سیاستی نظام سے متعلق وہابی ازم کی اصطلاح کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے غلط معنوں میں استعمال کیا گیا، اس اصطلاح کو غلط رنگ دینے میں خلافت عثمانیہ اور مستشرقین کا اہم رول رہا ہے، یہ اصطلاح دراصل سعودی عرب کی ساکھ کو خراب کرنے کے لئے گڑھی گئی تھی تا کہ سعودی مملکت کے بارے میں رائے عامہ میں منفی سوچ پیدا کی جائے، وہابی تحریک کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت ہر قسم کی سیاسی آلائشوں سے مبرا اور خالص ایک دینی تحریک تھی۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ یکم نومبر ص:۸)

اسرائیل عرب علاقوں سے دستبردار ہو: پوپ بینیڈکٹ

ویٹیکن میں عیسائی پیشوا پوپ بینیڈکٹ 16 کے ذریعہ طلب کردہ مشرق وسطیٰ کے بشپ اجلاس کے دوران کیتھولک کلیسا کے رہنماؤں نے اس بات پر زور دیا کہ اسرائیل اقوام متحدہ کی قراردادوں کی پاسداری کرتے ہوئے عرب علاقوں پر اپنا قبضہ ختم کرے، نیز اسرائیل فلسطینیوں کے خلاف ناانصافیوں کو درست ٹھہرانے کے لئے بائبل کا استعمال نہ کرے۔ ان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ 1967 میں سلامتی کونسل کی منظور کردہ قرارداد پر عمل درآمد کرایا جائے، جس میں اسرائیل سے ان عرب علاقوں کو فوراً خالی کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ (سنڈے انڈین ص:۱۰، ۱۴؍۱۴ نومبر ج:۴، شمارہ ۱۰۰)

اسلام ایک بہترین مذہب: اوباما

امریکی صدر براک اوباما نے اپنے حالیہ دورۂ ہند میں ایک طالب علم کے سوال کے جواب میں کہا کہ اسلام ایک بہترین مذہب ہے، اسلام تشدد کی تعلیم نہیں دیتا، انہوں نے جہاد سے متعلق سوال پر کہا کہ اس کی غلط تشریح کی گئی ہے، کیونکہ اسلام تشدد کی اجازت نہیں دیتا، لیکن شدت پسندوں نے مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔☆

(راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۸/ نومبر ص:۱)

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) جمعہ کے دن دوران خطبۂ جمعہ مسجد میں آنے والا شخص دو رکعت پڑھے بغیر بیٹھ کر خطبہ سنے یا دو رکعت پڑھنے کے بعد؟

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ عقلمندی کی نشانی یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ مختصر ہو اور نماز جمعہ اس سے لمبی ہو، اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اگر واقعی مسئلہ ایسا ہے کہ خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی ہونی چاہئے تو اس حدیث پر عمل کیسے ہوگا؟

(۳) نماز جمعہ کے بعد سنت دو رکعت پڑھی جائے گی یا چار رکعت؟

قرآن وسنت کی روسے جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آئے جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو ایسی صورت میں بھی آنے والے شخص کو چاہئے کہ ہلکی دو رکعت پڑھ کر ہی بیٹھے اور اطمینان کے ساتھ خطبہ سنے، بغیر پڑھے نہیں بیٹھنا چاہئے، کیونکہ صحیح بخاری کے اندر ایک حدیث ہے کہ حضرت سلیک غطفانیؓ مسجد میں آئے اور دو رکعت پڑھے بغیر ہی بیٹھ کر خطبہ سننے لگے، اس وقت رسول اکرم ﷺ خطبہ (وعظ ونصیحت) ارشاد فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے (دوران خطبہ) پوچھا: "أصليت؟" یعنی کیا تم نے (دو رکعت) پڑھ لی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: "نہیں" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فصل رکعتين" یعنی (چلو کھڑے ہو جاؤ) دو رکعتیں ادا کرلو۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین، ح:۹۳۱)

اور ایک دوسری حدیث جو کہ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب التحیۃ والامام یخطب (۸۷۵) کے اندر موجود ہے، جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما" یعنی جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز اس وقت آئے جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے۔

صحیحین کی ان دونوں روایتوں اور اس معنی ومفہوم کی دیگر روایات سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو جاتی ہے کہ خطبۂ جمعہ کے دوران آنے والا شخص دو ہلکی رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھے۔ یہ سنت ہے۔ شرح السنۃ ۲۶۶/۴ کے اندر امام بغویؒ رقمطراز ہیں کہ: "فيه دليل على أن من دخل والامام يخطب لا يجلس حتى يصلى ركعتين وهو قول كثير من أهل العلم" یعنی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص خطبہ کے دوران آئے وہ دو رکعت پڑھ کر بیٹھے، یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۱۹۲/۳، المجموع ۴۲۸/۴، نیل الاوطار، تحفۃ الاحوذی، فتح الباری، سبل السلام ۶۴۲/۲، فتاوی اسلامیہ، فقہ الحدیث ۵۴۵/۱، ۵۴۶ وغیرہ)

(۲) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ کتب احادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے دو رکعتیں بھی ادا کی ہیں اور چار کی بھی اجازت دی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربع ركعات" (صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب الصلاۃ بعد الجمعہ ح ۸۸۱، ابوداود ح: ۱۱۳۱) یعنی جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ ادا کرلے تو اس کے بعد چار رکعات ادا کرے، ترمذی شریف کے اندر حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت یوں مروی ہے:

"قال رسول الله ﷺ إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعا وفي رواية من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا" (صحیح جامع ترمذی ح ۴۳۲، کتاب الجمعہ، نسائی، کتاب الجمعہ، باب عدد الصلاۃ بعد الجمعۃ فی المسجد ح ۱۴۲۷، ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ ح ۱۱۳۱) یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی نماز جمعہ ادا کرلے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ "أن رسول الله ﷺ كان يصلي قبل الظهر ركعتين وبعدها ركعتين وبعد المغرب ركعتين في بيته وبعد العشاء ركعتين وكان لا يصلي بعد الجمعة حتى ينصرف فيصلي ركعتين" (بخاری شریف، کتاب الجمعہ، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلھا ح ۹۳۷، ابوداود: ۱۲۵۲، وغیرہ)

اسی طرح مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ "أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الجمعة ركعتين في بيته" (مسلم ح ۸۸۲)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھنا بھی درست ہے اور دو بھی، لیکن یہ یاد رہے کہ چار رکعات پڑھنا افضل ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث قولی ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث فعلی ہے اور یہ بہت مشہور بات ہے کہ قولی حدیث فعلی حدیث پر مقدم ہوتی ہے۔

اور ایک بات یہ بھی دھیان میں رہے کہ جن معاملات میں شریعت نے اختیار و وسعت دی ہے، ان میں فضول کی بحث و تکرار نہیں کرنا چاہئے۔ اس معاملہ میں شریعت نے اختیار دیا ہے کہ جو چار پڑھنا چاہے وہ چار پڑھے اور جو دو پڑھنا چاہے وہ دو پڑھے، اس میں گھر و مسجد کی کوئی قید نہیں ہے، ہاں بات ضرور ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ دیگر نماز مسجد کے مقابلہ میں گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے فقہی کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔)

(۳) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت عمارؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں: "إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة وان من البيان سحرا" (مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ: ۸۶۹)

یعنی بلاشبہ آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور اس کے خطبے کا چھوٹا ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے، تم نماز کو لمبی کرو اور خطبہ کو چھوٹا کرو، بلاشبہ بیان (موثر ہونے کے لحاظ سے) جادو (اثر) ہوتے ہیں۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کی نماز خطبۂ جمعہ سے لمبی ہو، بلکہ میرے علم کی حد تک اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نماز جمعہ عام نمازوں سے لمبی ہو اور خطبۂ جمعہ عام خطبات سے چھوٹا ہو۔

بعض اوقات اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے کافی طویل خطبہ بھی دیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کے بعد ظہر تک پھر ظہر کے بعد سے عصر تک پھر آفتاب غروب ہونے تک خطبہ دیا، جس میں آپ نے گزشتہ اور مستقبل کی باتوں کا ذکر فرمایا۔

لیکن آپ کا خطبۂ جمعہ اتنا طویل نہیں ہوتا تھا بلکہ درمیانی ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''نبی کریم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، ان دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے تھے، آپ ﷺ (ان میں) قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے، آپ کی نماز درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی درمیانی ہوتا''۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ: ۸۶۲،۸۶۶)

اسی طرح حضرت ام ہشام کی روایت میں ہے کہ انہوں نے سورہ ق والقرآن المجید نبی کریم ﷺ سے خطبۂ جمعہ میں سن کر یاد کرلی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ: ۸۷۳)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ جمعہ درمیانہ ہونا چاہئے، عام خطبوں کی طرح لمبا نہ ہو اور نماز جمعہ عام نمازوں سے قدرے لمبی ہو، کیونکہ عام طور پر امام کو نماز ہلکی پڑھانے کا حکم ہے، تاکہ نمازیوں کے لیے مشقت کا باعث نہ ہو، اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ خطبۂ جمعہ ایک نہیں ہے بلکہ دو ہوتے ہیں، اس لیے جمعہ کے دو خطبوں اور سورہ ق کا وقت تو نماز سے زیادہ قطعی طور پر ہو ہی جائے گا۔

(تفصیل کے لیے اسلام میں نماز جمعہ کا حکم للشیخ محمد رئیس ندوی دیکھیں)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب
ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆